قومی سیاست میں جمعیت علماء اسلام پاکستان کا کردار

(۱۹۵۶ء۔ ۱۹۶۹ء)

سید عبدالصمد پیرزادہ

قیام پاکستان کے بعد دارالعلوم دیو بند کے ان فاضل علماء نے جو تحریک آزادی میں جمعیت علماء ہند کے پلیٹ فارم سے حصہ لیتے رہے تھے، اپنی تمام تر سیاسی خدمات علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۸۸۵ء۔ ۱۹۴۹ء) صدر کل پاکستان جمعیت علماء اسلام کو پیش کر دیں اور پاکستان کو مسلمانوں کے لئے ایک دینی، سیاسی اور ملی مرکز بنانے میں مصروف ہو گئے (۱)۔ ۱۹۴۹ء میں علامہ عثمانی کی رحلت کے بعد قومی تقاضوں کے پیش نظر یہ علماء ایک طرف کل پاکستان مرکزی جمعیت علماء اسلام کی سیاسی حکمت عملی سے مطمئن نہیں تھے تو دوسری طرف قوم کا روز افزوں اخلاقی انحطاط ان کو پریشان کر رہا تھا۔ جمعیت کے ایک پرانے کارکن احمد حسین کمال آخر الذکر حالات کا نقشہ یوں پیش کرتے ہیں۔

> پاکستان کی نئی نسل یا تو امریکی ثقافت کی بدراہیوں کی طرف جا رہی تھی یا تو اشتراکیت کی خوش نمائیوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان حالات میں اس کے سوا کیا چارہ کار رہ گیا تھا کہ پاکستان کے عوام کو وقت کی گندی سیاست کے نرغے سے نکالنے کے لیے اور ملک میں حقیقی اسلام کو باقی اور قائم رکھنے کے لیے ایسے لوگ آگے بڑھیں جو صحیح دین کے حامل ہوں اور ماضی کا سیاسی تجربہ بھی رکھتے ہوں (۲)۔

اس صورت حال کی اصلاح کے لیے شیخ الہند مولانا محمود حسن (۱۸۵۱ء۔ ۱۹۲۰ء) کے شاگرد اور کراچی کے ایک پرانے سیاسی کارکن، مولانا محمد صادق سب سے پہلے آگے بڑھے، جن کی کوششوں کے نتیجے میں مدرسہ قاسم العلوم میں مولانا مفتی محمود (۱۹۱۹ء۔ ۱۹۸۵ء) نے جمعیت کے علماء کے اجتماع کے لیے پہل کی۔ قوم کو مایوس کن سیاسی بے چینی اور گمراہی کی یلغار سے بچانے کے لیے اکتوبر ۱۹۵۱ء کو ملتان میں علماء کا ایک ملک گیر کنونشن بلایا (۳)، جس میں شرکت کی دعوت پاکستان مرکزی جمعیت علماء اسلام کے رکن علماء کو بھی دی گئی (۴)۔ مفتی محمد حسن (۱۸۸۰ء۔ ۱۹۶۱ء) صدر، کل مرکزی جمعیت علماء اسلام اور دوسرے رہنماؤں نے کنونشن کے انعقاد پر اعتراض کیا، مگر بعد ازاں ان کی اپنی

ہی جماعت بالاخر غیر مؤثر ہوکر رہ گئی۔ ملتان کنونشن کے نتیجے کے طور پر مرکزی جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا عبیداللہ سندھی (۱۸۷۳ء ۔ ۱۹۴۴ء)، شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا حسین احمد مدنی (۱۸۷۹ء۔۱۹۵۷ء) کے شاگرد اور تقسیم ہند سے قبل دارالعلوم دیوبند کے نائب مفتی مولانا احمد علی لاہوری (وفات ۱۹۶۲ء) کو صدر اور مولانا غلام غوث ہزاروی (۱۸۹۶ء۔۱۹۸۱ء) کو اس کا ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا (۵) اور لاہور میں دہلی دروازہ کے باہر ایک کہنہ عمارت کے چھوٹے سے کمرے میں اس کا دفتر کھول دیا گیا۔ بعد ازاں ۲۶ جون ۱۹۵۷ء کو جمعیت کے سہ روزہ مجلے، "ترجمان اسلام"، کی اشاعت کا آغاز بھی یہیں سے ہوا۔

جمیعت کی سیاسی تحریک ابتداء ہی سے چونکہ اسلامی نظام کے نفاذ اور ردقادیانیت (۶) پر مرکوز تھی، اس لیے ملتان کنونشن میں بھی منجملہ اور کاموں کے انہوں نے ایک قرارداد کے ذریعے حکومت کے کلیدی عہدوں پر قادیانیوں کے تقرر پر اظہار افسوس کیا، جو قادیانیت پر تنقید کی وجہ سے علماء پر سختی کرتے تھے۔

جمیعت کی مجلس عاملہ کا پہلا اجلاس ۲، ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء کو لاہور میں منعقد ہوا۔ تنظیمی امور کے علاوہ ملکی سیاسی صورت حال بھی زیر بحث آئی۔ اجلاس میں تجویز پیش کی گئی کہ پارلیمنٹ کا انتخاب قرآن و سنت کے احکام کے مطابق عمل میں لایا جائے اور غیر مسلموں کو اس میں نمائندگی نہ دی جائے۔ تاہم دیگر امور میں غیر مسلموں کو مسلمانوں کے برابر حقوق دیے جائیں اور مملکت ان کی حفاظت کی ذمہ دار ہو (۷)۔ اجلاس میں لاہوری اور قادیانی دونوں قسم کے قادیانیوں کے خارج از اسلام ہونے کا ذکر بھی آیا اور شرکاء نے اس اصولی اسلامی موقف کو دہرایا کہ غیر مسلموں کے کئے ہوئے قانونی فیصلے مسلمانوں پر نافذ نہیں کئے جاسکتے (۸)۔

ادھر ۱۹۵۶ء کے آئین کے تحت ۱۹۵۷ء میں انتخاب متوقع تھے۔ مگر آئین میں طرز انتخاب کا مسئلہ ابھی حل طلب تھا۔ اس پر شدید اختلاف رائے کے پیش نظر قومی اسمبلی نے اس ضمن میں فیصلہ ابتداء میں ہی مغربی اور مشرقی پاکستان کی اسمبلیوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا تھا۔ مرکزی جمیعت علماء اسلام مغربی پاکستان کو اس سلسلے میں بالخصوص بڑی تشویش لاحق تھی کیونکہ قادیانیوں کی سیاسی حیثیت کی بابت فیصلے کا انحصار بڑی حد تک اسی بات پر تھا (۹)۔ کل

پاکستان مرکزی جمیعت علماء اسلام بھی جداگانہ طرز انتخاب کے حق میں تھی۔ لیکن بعد ازاں جب قومی اسمبلی نے بھی مخلوط طرز انتخاب اپنانے کا فیصلہ کر لیا تو مرکزی جمیعت علماء اسلام کے ایک سرکردہ رہنما مفتی محمد شفیع نے یہ موقف اختیار کر لیا کہ اس سے ملک کی سالمیت اور نظریاتی اساس خطرے میں پڑ جائے گی (۱۰)۔ یہی نہیں بلکہ عوام کی رائے معلوم کرنے کے لیے انہوں نے اس مسئلے پر عمومی استصواب رائے کا مطالبہ بھی کیا (۱۱)۔ مفتی صاحب نے مزید کہا کہ طریقہ انتخاب کا مسئلہ اس نظریے کے ساتھ منسلک ہے جس کی بناء پر پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔ یہ صوبائی مسئلہ ہر گز نہیں کہ صوبائی اسمبلیاں اس کی قسمت کا فیصلہ کرتی پھریں (۱۲)۔

متوقع عام انتخابات میں حصہ لینے کے لیے مرکزی جمیعت علماء اسلام مغربی پاکستان کے پارلیمانی بورڈ نے صدر مولانا احمد علی لاہوری اور ناظم مولانا غلام غوث ہزاروی کی زیر قیادت ایک چودہ نکاتی انتخابی منشور پیش کیا، جس میں اسلامی انصاف مہیا کرنے اور ملک کو اسلامی آئین دینے، آزاد خارجہ پالیسی اور دوست مسلمان ممالک کے ساتھ قریبی تعلقات کے فروغ، عوامی امنگوں کے آئینہ دار تعلیمی نظام کی تشکیل اور صحت عامہ کے بہتر مواقع فراہم کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ امن و امان کی فضا قائم کرنے، عادلانہ معاشی نظام کے قیام، عریانی و فحاشی کا قلع قمع، شراب اور دوسری نشہ آور اشیاء پر پابندی، آمد و رفت اور مواصلات کے لیے بہتر سہولتوں کی فراہمی، شہری آزادی اور اقلیتوں کے تحفظ اور ارتداد کے خاتمے سے متعلق ٹھوس اقدامات کرنے کی یقین دہانی بھی کرائی گئی تھی (۱۳)۔ اس کے برعکس کل پاکستان مرکزی جمعیت علماء اسلام نے براہ راست انتخابات میں حصہ لینے سے اجتناب اور ایسے امیدواروں کی حمایت کرنے کا فیصلہ کیا جو اس کے لائحہ عمل سے متفق ہوں گے (۱۴)۔

ادھر حکومت نے ۱۷ اگست ۱۹۵۷ء کو جسٹس محمد شریف کی سربراہی میں ایک گیارہ رکنی قانونی کمیشن مقرر کیا جس کا مقصد حکومت کو اسلامی قوانین سے متعلق مشورہ دینا تھا (۱۵)۔ کمیشن کے اراکین میں مولانا ظفر احمد عثمانی (۱۸۹۰ء۔ ۱۹۷۴ء)، مولانا راغب احسن (۱۹۰۱ء۔ ۱۹۷۵ء)، مولانا غلام مرشد (وفات ۱۹۷۸ء) غلام احمد پرویز (۱۶) اور جماعت اسلامی کے ایک سابق رکن مولانا امین احسن اصلاحی شامل تھے (۱۷)۔ قائد جمعیت مولانا احمد علی لاہوری نے غلام احمد پرویز اور مولانا اصلاحی کی اسلامی قوانین کی تدوین کے سلسلے

میں تقرری کو افسوس ناک قرار دیا۔ اس کے علاوہ وہ کمیشن میں علماء کی تعداد سے بھی مطمئن نہ تھے (۱۸)۔ اس نوعیت کا ایک اور مسئلہ جس پر جمعیت نے بڑا شدید ردعمل ظاہر کیا، پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والا اسلام پر ایک مذاکرہ تھا۔ جس کے مدعوئین میں مولانا مودودی (۱۹۰۳ء - ۱۹۷۹ء) اور پاکستان کے سابق وزیر خارجہ ظفر اللہ خان شامل تھے کیونکہ جمعیت مولانا مودودی کی اسلامی تاویلات کو درست نہیں سمجھتی تھی اور اس طرح تحریک ختم نبوت کے دوران کتنی بے گناہ مسلمانوں کی موت اور ظفر اللہ خان کے قادیانی مذہب ہونے کے باعث جمعیت ایک ایسے شخص کو اسلام پر اظہار خیال کی دعوت دینے کو اسلام کے ساتھ مذاق تصور کرتی تھی (۱۹)۔ ایک اور ممتاز عالم دین اور تحریک پاکستان کے کارکن مفتی جمیل احمد تھانوی نے بھی مذاکرے پر تنقید کی (۲۰)۔ مفتی محمود کے نزدیک مذاکرے میں غیر مسلموں اور ظفر اللہ خان قادیانی کو شرکت کی دعوت دینا دراصل اسلام کو مسخ کرنے کی ایک کوشش تھی (۲۱)۔ مولانا احمد علی لاہوری نے بھی اسی وجہ سے مذاکرے میں شرکت کی دعوت مسترد کر دی۔

مرکزی جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان نے ابھی تک جماعت کی سطح پر ۱۹۵۶ء کے آئین کا جائزہ نہیں لیا تھا۔ ۱۶، ۱۷ جون ۱۹۵۸ء کو لاہور میں ایک اجلاس میں مجلس عاملہ نے اس مقصد کے لیے ایک دستوری کمیٹی تشکیل دی۔ مولانا شمس الحق افغانی، مفتی محمود، شیخ حسام الدین اور علامہ خالد محمود اسکے رکن تھے۔ دستوری کمیٹی نے ۲۴ جون ۱۹۵۸ء کو مردان میں اپنا اجلاس منعقد کیا، جس کی سفارشات مفتی محمود کے دیباچے کے ساتھ شائع ہوئیں۔ آئین کے چیدہ چیدہ نقائص پر روشنی ڈالتے ہوئے رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ قرآن پاک، سنت نبوی صلعم، اسلام اور اسلامی اصولوں کا ذکر اس کی تمہید میں رکھا گیا ہے جو نہ تو دستور کا جزو ہے اور نہ ہی اس کی کوئی دستوری اور قانونی حیثیت ہے۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے لیے مسلمان ہونا ضروری قرار نہیں دیا گیا، جب کہ پوری امت مسلمہ کا اس پر اتفاق چلا آتا ہے کہ کسی کافر کا فیصلہ مسلمان پر نافذ العمل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح عورت کے جج بننے کا حق درست نہیں، کیونکہ وہ حدود اور قصاص کے بارے میں فیصلہ دینے کی شرعاً مجاز نہیں۔ صدر پاکستان کو کسی سزا کو معاف کر دینے کا اختیار اسلام کے منافی ہے۔ کیونکہ اسلام میں پیغمبر صلعم کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں تھا۔ وزیر اعظم، مرکزی

وزراء، خصوصاً وزیر تعلیم، قانون، خارجہ امور، ارکان عدلیہ، سپیکر، الیکشن کمشنر، گورنر اور صوبائی وزراء ایسے کلیدی عہدوں پر قادیانیوں سمیت ہر غیر مسلم کے متعین ہونے کا حق غیر مسلموں کو ووٹ دینے اور اسمبلی کا رکن بننے کا حق، اسلامی مساوات اور عدل کے خلاف صدر اور گورنروں کے بھاری مشاہروں اور مراعات کو بھی رپورٹ میں ہدف تنقید بنایا گیا تھا۔ رپورٹ میں جن ترامیم کا مطالبہ کیا گیا ان میں بنیادی حقوق کو اسلامی تعلیمات کے ساتھ مشروط کرنا، اسلامی شعائر کو مملکت کی پالیسی کے رہنما اصولوں کے طور پر بذریعہ قانون مستحکم کرنا، مسلمان کی تعریف میں ختم نبوت کے عقیدے کا صراحت کے ساتھ ذکر، صدر مملکت، سپیکر اور ڈپٹی سپیکر، سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور ججوں کا مسلمان ہونا، عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی اور عربی زبان کی تعلیم و ترویج کے لیے فوری اقدامات کرنا اور دوسرے متعدد امور شامل تھے (۲۲)۔ بظاہر ۱۹۵۶ء کے آئین کے مندرجہ بالا نقائص مجوزہ ترامیم اور دوسرے سیاسی امور کو جن کی رپورٹ میں نشاندہی کی گئی، مرکزی جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان، ملک میں ہونے والے عام انتخابات میں استعمال کرنا چاہتی تھی۔ مگر جلد ہی جنرل محمد ایوب خان (۱۹۰۷ء۔۱۹۷۴ء) نے مارشل لاء نافذ کر دیا جس کے ساتھ ہی آئین منسوخ کر کے تمام سیاسی سرگرمیاں ممنوع قرار دے دی گئیں۔

اکتوبر ۱۹۵۸ء سے جون ۱۹۶۲ء تک پاکستان میں مارشل لاء نافذ رہا۔ ۱۹۵۹ء میں مرکزی جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان میں شامل علماء نے مدرسہ عربیہ قاسم العلوم ملتان کے سالانہ جلسے کے موقع پر نظام العلماء کے نام سے ایک تنظیم کا اعلان کیا (۲۳)۔ نظام العلماء کو بظاہر غیر سیاسی تھی، مگر دراصل اس نام سے کالعدم مرکزی جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کو سیاسی اعتبار سے زندہ رکھنے کی ایک کوشش تھی۔ اس تنظیم کے زیر اہتمام ۲۳ جون ۱۹۵۹ء کو لاہور میں علماء کا ایک کنونشن منعقد ہوا۔ جس میں وزراء اور افسر شاہی کی طرف سے جاری کیئے گئے عشرہ محرم کے ماتمی جلوسوں کے تمام لائسنسوں کو منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا گیا، چونکہ جمعیت کے مطابق ماضی میں یہ جلوس فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی خرابی اور شیعہ سنی فساد کا باعث بنے تھے، لہذا جمعیت نے یہ سفارش بھی کی کہ شیعہ مسلمانوں کو مساجد اور اپنے دیگر مذہبی مقامات کی حدود میں ان معمولات کو بجا لانے کی اجازت ہونی چاہیے۔ گو جمعیت کا یہ مطالبہ بذات خود فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا کو خراب کرنے کے مترادف تھا۔

اجلاس نے گورنروں اور کمشنروں کی مشاورتی کمیٹیاں بنانے سے متعلق حکومت کے فیصلے کو سراہا (۲۴) ۔ اس کے کچھ عرصہ بعد نظام العلماء کے زیر اہتمام ٹنڈوالہ یار (سندھ) میں ایک کل پاکستان تعلیمی کانفرس منعقد ہوئی جس میں ملک بھر سے علماء نے شرکت کی (۲۵) ۔ کانفرنس نے مولانا خیر محمد جالندھری کی زیر صدارت ایک چھ رکنی مجلس تنظیم مدارس عربیہ بنائی ۔ جس میں مولانا شمس الحق افغانی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۱۸۹۸ء۔۱۹۷۴ء)، مولانا محمد صدیق اور مولانا احتشام الحق تھانوی (۱۹۱۵ء۔۱۹۸۰ء) شامل تھے (۲۶) ۔ اس کمیٹی نے وفاق المدارس العربیہ کے آئین، مقاصد، عہدیداروں کے فرائض اور دینی مدارس کے کام اور تعلیمی نصاب کے تعین میں اہم کردار ادا کیا (۲۷) ۔

دریں اثناء صدر ایوب نے مقامی حکومت خود اختیاری سے متعلق بنیادی جمہوریتوں کا نظام نافذ کیا ۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۵۹ء کو اس نظام کے تحت اسی ہزار بنیادی جمہوریتوں کے ارکان منتخب ہوئے فروری ۱۹۶۵ء میں خفیہ رائے دہی کے ذریعے ان ارکان نے جنرل ایوب خان کے حق میں یا ان کے خلاف ووٹ ڈالے اور یوں بالواسطہ طریقے سے جنرل ایوب خان نے یہ انتخاب جیت لیا ۔ جس کے بعد صدر نے جسٹس شہاب الدین کی سرکردگی میں ایک کمیشن قائم کیا تاکہ وہ حکومت کو ملک کے لیے آئین سازی سے متعلق مشورہ دے سکے ۔ کمیشن کو ایسا جمہوری نظام تجویز کرنا تھا جو پاکستان کے سیاسی حالات کے مطابق ہو اور اس کی بنیاد اسلام کے عادلانہ اصولوں، مساوات اور رواداری پر مبنی ہو ۔ نظام العلماء کے دس سرکردہ راہنماؤں نے ایک مشترکہ بیان میں کمیشن کی تشکیل اور اس کے ارکان کے خلوص اور مجوزہ آئینی کام سرانجام دینے کے لئے ان کی اہلیت پر تنقید کرتے ہوئے اعتراض کیا کہ کمیشن میں کسی مشہور عالم دین کو شامل نہیں کیا گیا ۔ مزید یہ کہ ایک رکن پرویزی مکتبہ فکر کا حامل تھا (۲۸) ۔ یہی نہیں بلکہ نظام العلماء کی مجلس عاملہ نے اپریل ۱۹۶۰ء میں لاہور میں منعقد ہونے والے اپنے ایک اجلاس میں مولانا شمس الحق افغانی، مولانا محمد یوسف بنوری (وفات ۱۹۷۷ء) مولانا احتشام الحق تھانوی اور مفتی محمد شفیع کی دستوری کمیشن پر تقرری (۲۹) کی سفارش بھی کی جسے حکومت کی طرف سے مسترد کر دیا گیا ۔

۵، ۶ مئی ۱۹۶۰ء کو آئینی کمیشن نے ایک چالیس نکاتی سوالنامہ جاری کیا ۔ کل پاکستان مرکزی جمعیت علماء اسلام کے زیر اہتمام جامعہ اشرفیہ لاہور میں

انیس علماء کے ایک نمائندہ اجلاس میں سوالنامے کا جواب مرتب کیا گیا۔ مفتی محمد حسن (۱۸۸۰ء۔ ۱۹۶۱ء) مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا عبدالحنان، مفتی سیاح الدین کاکاخیل، اور مولانا شمس الحق افغانی نے اس اجلاس میں شرکت کی (۳۰)۔ ان علماء کا موقف یہ تھا کہ پارلیمانی جمہوریت جو عام انتخابات کے ذریعے معرض وجود میں آتی ہے اسے پاکستان میں کبھی کام کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ اس لیے اس کی ناکامی کی بات بے معنی ہے (۳۱)۔ انہوں نے صدارتی نظام کا تجربہ کرنے کے بجائے پارلیمانی نظام کے نفاذ اور ریاست کا ڈھانچہ ۱۹۵۶ء کے آئین کے تحت تشکیل دینے کی سفارش کی (۳۲)۔ اور یہ کہ وفاق کی تشکیل، مرکزی اور صوبوں کی قانون سازی کی حدود، یک ایوانی اور دو ایوانی مقننہ ایسے امور بھی ۱۹۵۶ء کے آئین کے مطابق ہی طے کئے جائیں (۳۳)۔ بالغ رائے دہی کے اصول کو تسلیم کیا جائے اور طریق انتخاب کا فیصلہ پارلیمنٹ پر چھوڑ دیا جائے (۳۴)۔ ان علماء کی رائے یہ تھی کہ آئین کے دیباچے، ریاست کے رہبر اصولوں، اسمبلیوں کی رکنیت، بنیادی حقوق، سپریم کورٹ کے ججوں اور ان کے دائرہ کار سے متعلق امور، اٹارنی جنرل، الیکشن کمیشن اور اس کے فرائض، ہنگامی حالات میں صدر کے اختیارات، عورتوں کے لیے مخصوص نشستوں اور اقلیتوں کی نمائندگی ایسے معاملات سے متعلق ۱۹۵۶ء کے آئین کی شقوں کو برقرار رکھا جائے (۳۵)۔ اور تمام مکاتب فکر کے علماء کے منظور کردہ بائیس نکات کو آئین کے رہنما اصولوں کا درجہ دیا جائے (۳۶)۔ مارشل لاء سے متعلق جواب میں کہا گیا کہ آئین میں یہ بات واضح طور پر شامل کی جائے کہ مارشل لاء آئندہ صرف اس صورت میں نافذ کیا جائے گا کہ ملک کو جنگ کا سامنا ہو اور دفاعی مقاصد کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ ہو، یا ملک میں کھلی بغاوت کی فضا پیدا ہو چکی ہو جس پر سول انتظامیہ قابو پانے میں ناکام ہو گئی ہو۔ ان حالات میں بھی مارشل لاء حالات کے معمول پر آنے تک جاری رکھا جائے گا، مارشل لاء پچھلی تاریخ سے نہیں ہٹایا جائے گا اور مارشل لاء کے دوران کیے گئے فیصلوں کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی اجازت ہو گی (۳۷)۔ مولانا شمس الحق افغانی نے بعد ازاں مولانا غلام غوث ہزاروی کے استفسار پر آئینی کمیشن کے صدر کو ایک خط میں ۱۹۵۶ء کے آئین کی اسلامی شقوں کو مرکزی جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کی دستوری کمیٹی کی تجاویز کے پس منظر میں بحال کرنے کا مطالبہ کیا (۳۸)۔

نظام العلماء نے علماء کی مندرجہ بالا تجاویز سے اتفاق نہ کرتے ہوئے اپنی

طرف سے سوالنامے کے جوابات ارسال کیے جن کی تیاری میں چالیس علماء نے حصہ لیا۔ جنہوں نے حکمرانوں کی "لادینیت بد اخلاقی، بدعنوانی اور ۱۹۵۶ء کے آئین کے ساتھ اسلام کی پیوندکاری "کو پارلیمانی جمہوریت کی ناکامی کا سبب قرار دیا (۳۹)۔ اور کہا کہ برائیوں کے خاتمے اور اسلامی تعلیمات کو حقیقت کا روپ دینے ہی سے ایسی افسوسناک صورتحال کو روکا جا سکتا ہے (۴۰)۔

جواب میں پارلیمانی اور صدارتی دونوں نظاموں کو مسترد کرتے ہوئے بہترین حل اسلامی طرز حکومت تجویز کیا گیا جس کا مرکزی نکتہ مجلس شوریٰ ہو گی۔ مجلس شوریٰ کا سربراہ امیر کہلائے گا۔ امارت کے لیے ذاتی طور پر نام پیش نہیں کیا جا سکے گا، ایک سے زائد نامزد امیدواروں کی صورت میں مجاز افسر قرعہ نکالے گا اور یوں منتخب ہونے والا امیر شوریٰ کے سامنے جوابدہ ہو گا۔ وفاق کی تشکیل، قانون سازی سے متعلق اداروں کی امداد اور ان کی رکنیت کے متعلق امیر خود فیصلہ کرنے کا مجاز ہو گا (۴۱) حکومت مسلمانوں پر مشتمل ہو گی اور مسلمانوں کے ذریعے ہو گی تاہم اقلیتوں کو تحفظ فراہم کیا جائے گا (۴۲)، عورتوں اور غیر مسلموں کو عدالتی فرائض نہیں سونپے جائیں گے، مرتدین واجب القتل ہوں گے (۴۳)۔ ریاست کے رہنما اصولوں کو زیادہ مؤثر بنانا، اسلامی معاملات میں امیر کو زیادہ اختیارات کی تفویض، عیسائیت کی تبلیغ پر پابندی، قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا، اور شیعہ مسلمانوں کو عشرہ محرم کی عزاداری کے مراسم کو اپنی مساجد اور امام بارگاہوں کی حدود میں بجا لانے کا پابند کرنا دوسری اہم تجاویز تھیں (۴۴)۔

مارچ ۱۹۶۱ء میں حکومت نے عائلی قوانین کا آرڈیننس نافذ کیا۔ عائلی قوانین کے خلاف شریعت ہونے کے باعث نظام العلماء نے ان کی مخالفت کی اور ان کی تنسیخ کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دیں۔ عائلی قوانین نظام العلماء کی طرف سے ایوب خان کی حکومت کو مطعون کرنے کا اہم سبب بنے رہے۔ ان قوانین کے نفاذ کے فوراً بعد نظام العلماء کے سیکرٹری جنرل نے صدر ایوب کو عائلی قوانین پر روشنی ڈالنے کے لئے علمائے دین کے ساتھ ایک مذاکرے کی تجویز پیش کی اور اسی ضمن میں مولانا شمس الحق افغانی، مولانا احتشام الحق تھانوی، مفتی محمد شفیع، مولانا سید محمد یوسف بنوری، مفتی محمد حسن، مولانا خیر محمد جالندھری (وفات ۱۹۷۰ء) مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد علی جالندھری اور علامہ خالد محمود کے نام پیش کیے (۴۵)۔ مجلس

شوریٰ نے ۲۴، ۲۵ اپریل کو اپنے اجلاس میں مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے پر عائلی قوانین کو مسترد کر دیا (۴۶) ۔ دیوبندی علماء کے علاوہ دوسرے مکاتب فکر کے علماء نے بھی عائلی قوانین کے نفاذ کی پرزور مخالفت کی (۴۷) ۔

عائلی قوانین ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین (۱۸۹۵ء-۱۹۵۹ء) کی زیر سرکردگی سات رکنی شادی بیاہ اور زن و شوئی کمیشن کی سفارشات پر مبنی تھے ۔ ۵ جولائی ۱۹۵۵ کو قائم ہونے والے اس کمیشن میں مولانا احتشام الحق تھانوی بطور ماہر فقہ اسلامی شامل تھے ۔ کمیشن کے قیام کا بنیادی مقصد یہ دریافت کرنا تھا کہ کیا اسلامی روح کو مد نظر رکھتے ہوئے معاشرے میں خواتین کو ان کا جائز مقام دلانے کے لیے مسلمانوں کے شادی بیاہ، طلاق، نان و نفقہ اور دوسرے متعلقہ معاملات سے متعلق موجودہ قوانین میں کسی ترمیم کی ضرورت ہے یا نہیں (۴۸) ۔ رائے عامہ سے مستفید ہونے کے لئے کمیشن نے ایک سوالنامہ جاری کیا ۔ اپنی رپورٹ میں کمیشن نے کہا کہ اس میں موجود قوانین اور بنیادی طور پر ان مسائل اور استفسارات کے جوابات ہیں جو نزول قرآن کے زمانے میں اسلامی معاشرے کو پیش آئے ۔ پیغمبر اسلام نے اپنی حیات میں حالات کے مطابق ان کی تشریح و توجیہہ کی اور انہیں اپنایا جیسا کہ انسانی تعلقات کی لا متناہی نوعیت کے باعث تمام ادوار اور وقوعات کے متعلق ان پر کچھ کہنا ممکن نہیں ۔ پیغمبر اسلام نے قانون سازی اور عادلانہ فیصلوں کا ایک بہت وسیع میدان اپنے ہم عصروں کے لیے چھوڑا، جن کے سامنے قرآن اور سنت نبوی موجود تھی (۴۹) ۔ کمیشن نے اسلامی تہذیب میں "جمود" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ مرور ایام سے اسلامی قوانین نہ صرف مسخ ہو گئے ہیں بلکہ انسانی مسائل کے حل کے سلسلے میں ان کا نرم رویہ بھی دب کے رہ گیا ہے (۵۰) ۔ شادی بیاہ اور زن و شوئی کے تنازعات کو جلد ہی حل کرنے کے لیے کمیشن نے عائلی عدالتیں قائم کرنے کی تجویز پیش کی ۔ اس کے علاوہ کمیشن نے مندرجہ ذیل اقدامات کی بھی سفارش کی کہ کسی شخص کو اپنی پہلی بیوی کی زندگی میں عائلی عدالت کی مداخلت کے بغیر شادی کی اجازت نہ ہو ۔ کوئی شخص عائلی عدالت کے حکم کے بغیر طلاق جاری کرنے کا مجاز نہ ہو (۵۱) ۔

مولانا احتشام الحق تھانوی نے کمیشن کی رپورٹ پر اپنا اختلافی نوٹ لکھا اور کمیشن کے اٹھائے گئے اسلامی نکات کی تشریح کی ۔ مولانا تھانوی نے اعتراض کیا کہ شادی بیاہ کے قوانین کو اسلامی شریعت سے ہم آہنگ کرنے کا کام

ایسے کمیشن کو سونپا گیا ہے جس کے ارکان کا نہ تو اسلامی تعلیمات اور احکام کا مفصل مطالعہ ہے اور نہ ہی وہ ان قوانین کی روح اور نفاذ کے علم واثق سے بہرہ ور ہیں۔ مولانا تھانوی نے کمیشن پر قرآن اور سنت سے روگردانی اور فقہ اسلامی کے ساتھ استہزا کا الزام بھی لگایا۔ جسے بعد میں اجماع کا نام دیا گیا اس کے علاوہ انہوں نے خالصتاً شرعی معاملات پر رائے عامہ معلوم کرنے کو اپنے نوٹ میں شریعت کی تحقیر اور مذہب کے ساتھ مذاق قرار دیا۔ قرآن کے مبینہ "عصری کردار" پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا تھانوی نے کہا کہ "قرآن اللہ کا پاک "کلام ہے جو اسکی الوہی ہدایت کا شاہکار ہے۔ اللہ تعالی کو زندگی کے ہر دور کی معمولی سے معمولی حقیقت کا علم کامل حاصل ہے۔ اس لیے اس کا نازل کردہ کلام اور اس کے فرستادہ رسول خاتم صلعم اور ان کی پیغمبرانہ بصیرت، تمام کی بنیاد حقانیت ہے جو قیامت تک برقرار رہے گی اور تب تک قرآن اور سنت نبوی اس کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے تمام واقعات سے متعلق سچی راہنمائی فراہم کرتے رہیں گے (۵۲)۔ دور جدید میں صنف نازک کی اہمیت مرد کی جنسی تسکین سے بڑھ کر کچھ نہیں اس کے برعکس دور جدید، اسلام کے "دور جمود" میں عورت کو دی جانے والی عزت و تکریم کی ادنیٰ مثال بھی نہیں پیش کر سکتا۔

مولانا تھانوی نے مزید کہا کہ اسلام میں ترقی کا نظریہ یہ ہے کہ درخت اپنی جڑوں پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے پھلے پھولے نہ کہ اس پر جا بجا دوسرے مذاہب اور تہذیبوں کی پیوند کاری سے اس کا بنیادی حلیہ ہی تبدیل ہو جائے (۵۳)۔ انہوں نے قانون کی رو سے نکاح کے لیے عمر کی قید لگانے کی مداخلت کو "فی الدین" سے تعبیر کیا جس کے نتائج بھیانک ہو سکتے ہیں (۵۴)۔ اپنے اختلافی نوٹ میں مولانا نے کمسنی کی شادی میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں کیا (۵۵)۔ مولانا تھانوی کے اختلافی نوٹ سے کمیشن کی رپورٹ کو شرعی اعتبار سے سخت دھچکا لگا، اور یوں عائلی قوانین کے نفاذ پر ان کے خلاف مخالفت کا ایک سیلاب امڈ آیا جسے ایوب خان کی حکومت کے خلاف مخالفین نے بڑے مؤثر انداز سے استعمال کیا۔

یکم مارچ ۱۹۶۲ء کو ایوب خان نے نیا آئین نافذ کیا اور جس کے تحت مئی ۱۹۶۲ء میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات منعقد ہوئے۔ مرکزی جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کے صف اول کے دو قائدین مولانا مفتی محمود قومی اسمبلی اور مولانا غلام غوث ہزاروی، مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن منتخب ہو

گئے ۔ اپنی پارلیمانی زندگی کے روز اول ہی سے مفتی محمود نے اسلامی نظام حیات کے نفاذ سے متعلق جد و جہد کا عندیہ فراہم کر دیا ۔ حلف وفاداری میں " دستور کو باقی اور قائم رکھوں گا " کے بعد انہوں نے یہ اضافہ کیا " اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اس کو جوں کا توں قائم رکھیں گے بلکہ اس دستور کے تحت دیے گئے اختیارات کو بروئے کار لاکر ان جملہ خرابیوں اور خامیوں کو " جو کتاب و سنت " یا جمہوری اعتبار سے اس میں ظاہر ہوں گی " ترمیم و تنسیخ کریں گے (۵٦) ۔ مرکزی جمعیت علماء اسلام نے مغربی پاکستان کی قومی اسمبلی میں برائے نام نمائندگی کے باوجود ملک کی پارلیمانی سیاست میں بھرپور کردار ادا کیا اور ایوان میں زیر بحث آنے والے تقریباً مسودہ ہائے قانون اور امور پر اظہار خیال بھی کیا ۔

۱۱ جولائی ۱۹٦۲ ء کو سیاسی جماعتوں کے بل پر تقریر کرتے ہوئے مفتی محمود نے کہا کہ صرف ایسی سیاسی جماعتیں بنانے کی اجازت دی جائے جو اپنے سیاسی لائحہ عمل میں اسلام کو اہم ترین مقام دیں ۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں ہمارے پیش نظر جو مقاصد ہیں ان میں اسلام سب سے ضروری ہے ۔ مفتی محمود نے مزید کہا کہ جن سیاسی جماعتوں کا مطمح نظر اسلامی نظریے کے منافی ہو اور جو ملک کو لادین ریاست بنانے کی خواہاں ہوں انہیں کام کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے (۵۷) ۔ ۲۹ جولائی ۱۹٦۲ ء کو امریکی ہتھیاروں کی بڑے پیمانے پر ہندوستان کو فروخت کے باعث ملک میں ہنگامی صورتحال کا نفاذ ایوان کے زیر بحث آیا ۔ ملک کی خارجہ پالیسی پر تبصرہ کرتے ہوئے مفتی محمود نے تمام سیاسی جماعتوں کے قائدین پر مشتمل ایک قومی دفاعی کونسل قائم کرنے کی تجویز پیش کی تاکہ حالات کا جائزہ لے کر حکومت کو مناسب مشورہ دیا جا سکے (۵۸) ۔ اس موقع پر انہوں نے علماء سے اپیل کی کہ ایک دوسرے کو کافر کہنے کی بجائے عوام میں جہاد کا جذبہ پیدا کریں (۵۹) ۔ مفتی محمود نے مشرقی پاکستان کو دفاعی نقطہ نظر سے خود مختار بنانے اور ملک کو ایک آزاد خارجہ پالیسی اپنانے پر زور دیا (٦۰) ۔

آئین میں ملک کے نام کی تبدیلی اور کچھ اسلامی دفعات کی شمولیت کے لیے ترمیمی بل کی حمایت میں مفتی محمود نے کہا کہ مارشل لاء کا دور کسی بھی ملک میں ایک تاریک دور کی ابتداء اور اس کے شہریوں کے لیے باعث ندامت ہوتا ہے ۔ جب کہ اس کے برعکس یہ کہا جا رہا ہے کہ انہیں مارشل لاء سے خوش ہونا چاہیے ۔ کیونکہ اس نے قوم اور ملک کو بربادی سے بچا لیا ہے (٦۱) ۔ ایک دوسرے

موقع پر انہوں نے ملک کے نام کے ساتھ "اسلامی" منسلک کرنے پر اکتفا کرنے کے بجائے مادر وطن میں انگریز کے چھوڑے ہوئے عدالتی نظام کی جگہ اسلامی عادلانہ نظام نافذ کرنے ، ملکی سفارت خانوں اور پی آئی اے کی پروازوں کے دوران شراب کی فراہمی بند کرنے پر زور دیا ۔ مذہبی آزادی کی دفعہ میں یہ ترمیم پیش کی کہ کسی مسلمان کو مرتد ہونے اور پاکستان میں ارتداد کی اشاعت کی اجازت نہیں ہوگی (٦٢) ۔ یہ ترمیم ایوان نے رد کر دی ۔ مفتی محمود نے بل کی شق وار منظوری میں حصہ لیا لیکن آخری رائے شماری میں حصہ نہیں لیا (٦٣) ۔

جمعیت کی نظریاتی اساس کو مدنظر رکھتے ہوئے مفتی محمود نے ناشائستہ اشتہاروں کی ممانعت کے بل کی حمایت کی اور کہا کہ اس کے تحت موجوزہ اقدامات سے اسلامی تہذیب اور اسلامی طرز زندگی کو فروغ حاصل ہوگا (٦٤) ۔ انہوں نے ٦٤ ۔ ١٩٦٣ء کے سالانہ بجٹ کو ٹیکسوں کا بجٹ قرار دیا اور عوام کو سہولتیں دینے کا مطالبہ کیا (٦٥) ۔ عائلی قوانین کے تنسیخی بل پر خلاف اسلام عائلی قوانین کی مخالفت میں مفتی محمود نے ۲۵ جولائی ۱۹٦۳ء کو ایوان میں زبردست تقریر کی (٦٦) ۔ اور اس بل کو مشاورتی کونسل کے پاس بھیجنے کی مخالفت کی جس کے سیکرٹری ڈاکٹر فضل الرحمان نے شراب اور سود کو حلال قرار دیا تھا (٦٧) ۔ مفتی محمود نے اس کے برعکس تجویز کیا کہ بل کو قرآن اور سنت کی روشنی میں بہتر بنایا جائے (٦٨) ۔ تاہم قومی اسمبلی نے ٢٦ نومبر ١٩٦٣ء کو عائلی قوانین کا تنسیخی بل مسترد کر دیا (٦٩) ۔ جمعیت علماء اسلام نے ٦ دسمبر ١٩٦٣ء کو اس کے رد کئے جانے پر یوم احتجاج منایا (٧٠) ۔ جمعیت کی اپیل پر مغربی پاکستان کے تمام بڑے شہروں اور دیہات اور قصبوں میں احتجاجی جلسے منعقد ہوئے اور عائلی قوانین کی تنسیخ کے حق میں قراردادیں منظور کرتے ہوئے قومی اسمبلی کے سپیکر قائد ایوان اور وزیر داخلہ کو ڈھاکہ ارسال کی گئیں (٧١) ۔ مغربی پاکستان اسمبلی میں بھی عائلی قوانین کی تنسیخ کی سفارش پر مبنی ایک قرارداد زیر غور آئی ۔ جس پر جمعیت کے مولانا غلام غوث ہزاروی نے ٣ جولائی ١٩٦٣ء کو بڑی مدلل تقریر کی اور تین خواتین اور ایک مرد رکن کے علاوہ پورے ایوان نے قرارداد کے حق میں ووٹ ڈالا (٧٢) ۔

مفتی محمود نے آئین کے دوسرے ترمیمی بل کے حق میں بھی ووٹ دیا ۔ بل میں صدر کو اپنے عہدے کی میعاد ختم ہونے کے بعد اپنے پیش رو کے آنے تک صدارتی ذمہ داری سنبھالنے سے متعلق کہا گیا تھا (٧٣) ۔ مفتی محمود کے اس

پارلیمانی فیصلے کی ملک کی سیاسی حلقوں میں خاصی مخالفت ہوئی ، مگر مفتی صاحب نے اسے اپنی جماعت کا فیصلہ قرار دے کر مخالفین کے اعتراضات کو مسترد کر دیا ۔ مفتی محمود نے صدارتی انتخاب کے بل مجریہ ۱۹۶۴ء پر تنقید کی ۔ انہوں نے کہا کہ ایک طرف تو سیاست دانوں پر متعدد پابندیاں عائد ہیں ، لاوڈ سپیکر کا استعمال ممنوع ہے ، علماء اور سیاسی کارکن گرفتار کئے جا رہے ہیں ، جب کہ دوسری طرف گورنر ، وزراء اور نوکرشاہی بنیادی جمہوریتوں کے ارکان کو حکومت کا ہمنوا بنانے میں مصروف ہیں ۔ ان حالات میں انتخاب کیسے آزادانہ ہو سکتے ہیں ۔ انہوں نے بالغ رائے دہی کے اصول کے تحت صدر کو منتخب کرنے کا مطالبہ کیا اور بل میں مسلمان کی تعریف کے شامل نہ ہونے پر اس کو ہدف تنقید بنایا (۷۴) ۔

اسی سال عاشورہ محرم کے موقع پر لاہور میں شیعہ سنی فساد ہوا ، متعدد جانیں بھی ضائع ہوئیں اور ملک کے دوسرے حصوں میں فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہو گئی ۔ آئین کے نفاذ کے بعد سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندی اٹھا لی گئی تھی جس کے نتیجے میں مرکزی جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کو بحال کر دیا گیا تھا ۔ اگست ۱۹۶۲ء میں جمعیت کے آئین میں ایک ترمیم کے ذریعے لفظ " مرکزی " حذف کر دیا گیا اور اس کا نیا نام جمعیت علماء اسلام پاکستان طے پایا (۷۵) ۔ فرقہ وارانہ ہم آہنگی برقرار رکھنے کے لیے جمعیت سمیت چھ سیاسی تنظیموں احرار اسلام ، تنظیم اہل سنت والجماعت ، مجلس ختم نبوت ، انجمن اشاعت توحید و سنت اور حزب اللہ کے ایک اجلاس میں تمام مذہبی جماعتوں کا ایک بورڈ بنایا گیا جس کے پیش نظر ایک متحدہ اسلامی محاذ کا قیام تھا ۔ مفتی محمود اس بورڈ کے رکن تھے ۔ (۷٦) ۔ بورڈ نے شیعہ سنی فساد پر افسوس کا اظہار کیا اور شیعہ مسلمانوں کی مذہبی رسومات کو ان کی مساجد اور امام بارگاہوں اور ان کے مخصوص علاقوں تک محدود کرنے سے متعلق ایک قرارداد منظور کی (۷۷) ۔ جمعیت کے ایک اور رہنما مولانا عبیداللہ انور نے " فسادات محرم کے اندوہناک واقعات پر ایک مخلصانہ اور دردمندانہ اور ان کے سدباب کے لیے حقیقت پسندانہ مشورہ و تجزیہ " کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا ، جسے حکومت نے ضبط کر لیا ۔ ۱۳ ستمبر ۱۹٦۵ء کو مذکورہ بالا چھ سیاسی جماعتوں کے متحدہ محاذ کا قیام عمل میں لایا گیا ۔ شیخ حسام الدین اسکے کنوینر مقرر ہوئے (۷۸) ۔ اس کے فوری اغراض و مقاصد میں اہل اسلام کو جہاد اور وطن کے لیے مالی اور جانی قربانی کے

واسطے تیار کرنا تھا (۷۹) ۔ محاذ کے ایک وفد نے جس میں مفتی محمود بھی شریک تھے ۱۳ نومبر کو صدر پاکستان سے ملاقات کی اور جنگ کے دوران پیدا ہونے والی فرقہ وارانہ اتحاد و یگانگت کی فضا کو برقرار رکھنے کے لیے شراب، جوئے، زنا پر پابندی سمیت دوسرے اسلامی اقدامات پر عمل درآمد کا مطالبہ کیا (۸۰) ۔ ۲۸ مئی ۱۹۶۶ء کو لاہور میں محاذ کے زیر اہتمام ایک کنونشن منعقد ہوا۔ جس میں مفتی محمود بھی شریک تھے (۸۱) ۔ محاذ نے با اختیار اسلامی کونسل کے قیام، بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات، عائلی قوانین کی منسوخی، شعائر اسلام کی گمراہ کن تاویلات کرنے پر ڈاکٹر فضل الرحمان کی اسلامی تحقیقی ادارے سے علیحدگی سے متعلق قراردادیں منظور کیں (۸۲) ۔ اس دوران حکومت نے بیرون ملک پاکستان کے دشمنوں سے روپیہ لینے کے الزام میں ٦ جنوری ۱۹٦۴ء کو مولانا مودودی کو گرفتار کر لیا (۸۳) ۔ اس واقعہ پر اپنے تاثراتی بیان میں جمعیت کے صدر مولانا محمد عبداللہ درخواستی نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ صحیح صورتحال سے قوم کو آگاہ کیا جائے (۸۴) ۔

نومبر ۱۹٦۴ء میں بنیادی جمہوریتوں کے انتخاب ہوئے ۔ یہ انتخابات غیر سیاسی بنیادوں پر منعقد ہوئے تھے ۔ پارلیمانی اور صدارتی انتخابات کے لیے ۔ جمعیت نے ایک پارلیمانی بورڈ تشکیل دیا جس کا صدر مفتی محمود کو مقرر کیا گیا۔

جمعیت نے اسلامی ذہن کے امیدواروں کو منتخب کرنے کی اپیل کی (۸۵) ۔

تاہم صدارتی انتخابات میں جمعیت علماء اسلام پاکستان نے نہ تو کنونشن لیگ کے امیدوار صدر محمد ایوب خان اور نہ ہی حزب مخالف کی جماعتوں کے اتحاد، متحدہ جمہوری محاذ کی امیدوار مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کی ۔ جمعیت نے مشرقی پاکستان سے اسلامی نظام کے نفاذ میں دلچسپی رکھنے والے عناصر کے ساتھ مل کر اپنا امیدوار نامزد کرنے کا منصوبہ بنایا ۔ مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا [illegible]د محمد یوسف بنوری پر مشتمل جمعیت کا ایک وفد ۲۲ اکتوبر ۱۹٦۴ء کو ڈ[illegible]ہ پہنچا [illegible]رقی پاکستان کے علماء اور سیاسی رہنماؤں سے تبادلہ خیال کے بعد [illegible] کے زیر اہتمام مختلف مذہبی جماعتوں کے رکن علماء کا لاہور میں ۲۲ نومبر کو ایک اجلاس [illegible] جس میں ایک اسلامی محاذ کے قیام کے لئے ۲۷ نومبر کو ایک کنونشن [illegible] طے پایا، مگر الیکشن کمیشن نے صدارتی امیدواروں سے ۲۵ اور ۲٦ نومبر [illegible] بجے [illegible] پہر تک

کاغذات نامزدگی طلب کر لیے۔ کاغذات نامزدگی صرف راولپنڈی میں داخل کئے جا سکتے تھے۔ اس شرط کی وجہ سے جمعیت اپنا امیدوار نامزد نہ کر سکی۔ جمعیت کی طرف سے "ترجمان اسلام" نے اپنے اداریہ میں حکومت پر اسلامی محاذ کے قیام کی راہ میں حائل ہونے پر زبردست تنقید کی (۸۶)۔

صدارتی انتخابات میں کسی امیدوار کی حمایت سے متعلق لائحہ عمل کے طور پر جمعیت نے درج ذیل تین نکاتی مطالبہ پیش کر دیا۔

۱۔ غیر اسلامی عائلی قوانین میں ترمیم کر کے انہیں کتاب وسنت کے موافق بنایا جائے۔

۲۔ اسلامی مشاورتی کونسل میں نصف سے زیادہ تعداد میں ملک کے نامور جید، فقیہہ اور مستند علماء کرام شامل کیے جائیں۔

۳۔ دستور میں غیر اسلامی دفعات کو حذف کرنے کا اعلانیہ وعدہ کیا جائے۔

(الف) مذہبی آزادی اتنی عام نہ ہو کہ مسلمان کو بھی مرتد ہونے کا بنیادی حق حاصل ہو۔

(ب) اسلامی قانون کی تعبیر میں اسمبلی کا فیصلہ حرف آخر نہ ہو، بلکہ اسمبلی کے کسی بھی غیر اسلامی فیصلے کے خلاف عدالت میں چارہ جوئی کی جا سکے۔

(ج) دستور میں مسلمان کی ایسی جامع و مانع تعریف ہو جس کے بعد کسی مرزائی (قادیانی) اور اس قسم کے عقائد رکھنے والے شخص پر مسلمان ہونے کا اطلاق نہ ہو سکے۔ یہ بھی طے پایا کہ کسی امیدوار کے لائحہ عمل کو اپنے پروگرام میں شامل کرنے کی صورت میں جمعیت ۲۵ دسمبر کو اپنے ملتان میں ہونے والے عام اجلاس میں اس کی باقاعدہ حمایت کا اعلان کر دے گی (۸۷)۔ کنونشن مسلم لیگ نے ان مطالبات میں کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تاہم متحدہ جمہوری محاذ کے نواب زادہ نصراللہ کے درمیان ملاقات بھی ہوئی، مگر کوئی سود مند پیش رفت نہ ہو سکی (۸۸)۔ بنیادی جمہوریتوں کے ارکان نے ۲ جنوری ۱۹۶۵ء کو ووٹ ڈالے اور صدر ایوب خان بھاری اکثریت سے منتخب ہو گئے۔ مارچ میں قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے ان میں جمعیت کا کوئی رکن منتخب نہ ہو سکا۔ بعد ازاں جمعیت کی مجلس شوریٰ نے ۱۵ جولائی کو اپنے اجلاس منعقدہ سرگودھا میں قومی اسمبلی سے غیر اسلامی عائلی قوانین منسوخ کرنے کا مطالبہ کر دیا (۸۹)۔

ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران جمعیت علماء اسلام نے

جذبہ جہاد کے تحت اپنے تمام کارکنوں کی خدمات حکومت کو پیش کر دیں (۹۰)۔ کئی مقامات پر لوگوں میں جہاد کا جذبہ اجاگر کرنے کے لیے جہاد کانفرنسیں بھی منعقد کی گئیں۔ میر پور آزاد کشمیر، منگلا، بھمبر اور راولپنڈی میں مہاجر کیمپ لگائے گئے اور مقبوضہ کشمیر کے مہاجرین کو ہنگامی بنیادوں پر اشیائے صرف بہم پہنچائی گئیں (۹۱)۔ جمعیت نے دفاعی فنڈ جمع کرنے کی مہم بھی شروع کی (۹۲)۔ جنگ بندی سے متعلق جب پاک بھارت مذاکرات ہو رہے تھے تو جمعیت کے ناظم اعلیٰ مولانا غلام غوث ہزاروی نے صدر پاکستان کے نام ایک تار میں کہا کہ کشمیر میں استصواب رائے کے بغیر کوئی سمجھوتہ بے معنی ہوگا (۹۳) جمعیت نے معاہدہ تاشقند پر عدم اعتماد کا اظہار کیا کیونکہ اس میں بقول جمعیت بنیادی نزاع مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے کوئی اقدامات نہیں کئے گئے تھے تاہم جمعیت کے نزدیک مذاکرات میں امریکہ کو شریک نہ کرنا مستحسن فعل تھا (۹۴)۔ مجلس شوریٰ نے اپنے ۷ فروری ۱۹۶۶ء کے اجلاس لاہور میں یہ موقف اختیار کیا کہ معاہدہ تاشقند سے قوم کے جذبات مجروح ہوئے ہیں (۹۵)۔ شوریٰ نے کشمیر کے فیصلے کے بغیر محاذ سے فوجوں کی واپسی اور بھارت کی کشمیر کے متعلق " اٹوٹ انگ " کی رٹ کو ہدف تنقید بنایا۔ اس سلسلے میں جمعیت نے تجویز پیش کی کہ بھارت کے ساتھ مسئلہ کشمیر کو تین ماہ کے اندر اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کرنے کا معاہدہ کیا جائے یا پاکستان، بھارت اور کشمیر کے رہنماؤں پر مشتمل ایک کمیشن بنایا جائے جو مسئلہ کشمیر کے حل، شیخ محمد عبداللہ اور دوسرے کشمیری رہنماؤں کو آزادی تقریر و تحریر دینے اور بھارتی مسلمانوں پر ظلم و تعدی کا سدباب کرے (۹۶)۔

معاہدہ تاشقند کے بعد ملک میں ایوب خان کے خلاف عوامی نفرت کی جو لہر اٹھی، جمعیت اس سے لاتعلق رہی، تاہم اس نے ہنگامی حالات ختم کرنے اور شہری آزادیاں بحال کرنے پر مسلسل زور دیا۔ مگر درحقیقت کچھ عرصہ کے لیے جمعیت مرکزی سیاست سے کنارہ کش ہوگئی، ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے دوران جمعیت نے اپنے کارکنوں کو مصری اور شامی بھائیوں کے شانہ بشانہ نبرد آزما ہونے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیدیا۔ عربوں کی مالی اعانت کے لیے ایک فنڈ بھی قائم کیا گیا (۹۷)۔ مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے ایک ذاتی خط میں مفتی محمود کو جمعیت علماء اسلام پاکستان کے عربوں کے لیے جذبات پر شکریہ ادا کیا (۹۸)۔ جمعیت کے ناظم اعلیٰ مولانا غلام غوث ہزاروی نے مغربی پاکستان کے

گورنر کو ایک خط میں محکمہ اوقاف کے مشاورتی بورڈ پر شیعہ اور بریلوی علماء کی نامزدگی اور دیوبندی علماء کو نظر انداز کرنے پر احتجاج کیا (۹۹)۔ مولانا نے تینوں مکاتب فکر کے پانچ پانچ علماء کو شیعہ سنی کمیشن میں نامزد کرنے کی تجویز پیش کی، تاکہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی فروغ پا سکے (۱۰۰)۔ علاوہ ازیں جمعیت نے مختلف موقعوں پر عائلی قوانین کی تنسیخ، خاندانی منصوبہ بندی کے خاتمے، بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن لاہور کے نصاب سے خلافت راشدہ کے باب کو حذف کرنے (۱۰۱) اور اسلامی تعلیمات کی غلط تشریح کرنے پر ڈاکٹر فضل الرحمان کی برطرفی جیسے مسائل پر آواز اٹھائی (۱۰۲)۔ ۱۹۶۸ء کے آواخر میں ڈاکٹر فضل الرحمان کے استعفے سے ان علماء کی دیرینہ خواہش پوری ہوگئی (۱۰۳) مولانا ہزاروی نے اسلام پر ڈاکٹر فضل الرحمان کی تصنیف شدہ کتاب کو ضبط کرنے اور شعائر اسلام کے غلط مفاہیم اخذ کرنے پر ان کے خلاف مقدمہ چلانے کا بھی مطالبہ کیا (۱۰۴)۔

۱۹۶۸ء میں جمعیت نے ایوب خان کے خلاف باقاعدہ تحریک کا آغاز کیا اور بالآخر یہ سیاسی عمل اس عوامی نفرت کی خشت اول بن گیا جو ایوب خان کو کرسی اقتدار سے ہٹانے پر منتج ہوا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یکم مئی کو مرکزی مجلس عمومی نے جماعت کا نام "کل پاکستان جمعیت علماء اسلام" رکھ دیا اور جماعت کے دستور میں ضروری ترمیم کردی گئی (۱۰۵)۔ دو دن بعد لاہور میں تین روزہ کل پاکستان جمعیت العلماء اسلام کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ملک کے دونوں حصوں سے کارکنوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ مفتی محمود جنہیں اس نمائندہ اجلاس میں کل پاکستان جمعیت علماء اسلام کا ناظم عمومی منتخب کیا گیا، کانفرنس کے روح رواں تھے۔ کانفرنس نے سیاسی جدوجہد کے لیے ایک دس نکاتی پروگرام منظور کیا جس کا متن درج ذیل ہے۔

۱۔ اسلام، اہل اسلام اور مملکت پاکستان کی بقاء و استحکام کے لیے یہ ضروری ہے کہ ملک کے ہر دو حصوں میں مکمل اتفاق و اتحاد اور یکجہتی کے لیے قومی اتحاد کی بنیاد اسلامی اقدار پر قائم کی جائے۔

۲۔ (الف) ملک کے دونوں حصوں میں پچانوے فیصد رعایا کے مذہبی جذبات، عقائد و خیالات کا احترام کیا جائے، (ب) اقلیتوں کو مسلمانوں پر مسلط نہ کیا جائے۔ (ج) انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام اور بزرگان دین کے ناموس کا قانونی تحفظ ہو، (د) ملکی آئین و قوانین اسلامی ہوں، بجائے جنگ و رباب، گانے بجانے

رقص و سرور، فحاشی و عریانی کے ساری قوم کو مجاہد بنانے کے وسائل اختیار کئے جائیں۔

۳۔ ملکی انتخابات براہ راست عوامی رائے سے ہوں اور اگر بی۔ ڈی سسٹم کو باقی رکھنا ضروری ہو تو مقامی تعمیر و ترقی تک محدود کر دیا جائے۔

۴۔ ملک کے دونوں حصوں کی نمائندگی آبادی کے لحاظ سے مقرر کی جائے۔

۵۔ تقسیم اختیارات میں ہر دونوں حصوں کو مطمئن کیا جائے۔

٦۔ ملک کے دونوں حصوں میں عدم مساوات کو ختم کر دیا جائے اور قومی خزانہ کے مصارف میں پسماندہ علاقوں کا خاص خیال رکھا جائے۔

۷۔ ملک کی خارجہ پالیسی بالکل آزاد اور صرف اسلام و پاکستان کے مفادات پر مبنی ہو اور غیر ملکی اڈوں اور جاسوس عناصر کو فوراً ختم کر دیا جائے۔

۸۔ ملک کی معیشت پر ایک طبقہ کی اجارہ داری کو ختم کر کے امیر و غریب کے اتنے خطرناک امتیاز کو ختم کر دیا جائے جس کا لازمی نتیجہ طبقاتی جنگ اور الحاد آفریں اشتراکیت ہو سکتا ہے۔

۹۔ اسلامی اور خاص کر عرب ممالک کے ساتھ عملی ہمدردی کی جائے اور ان عناصر کی سرگرمیوں پر کڑی نگرانی رکھی جائے جو سامراجی طاقتوں کے ایماء پر عربوں کو بدنام کرتے ہیں۔

۱۰۔ ہنگامی حالت کو فی الفور ختم کر دیا جائے اور اسلامی و انسانی بنیادی حقوق بحال کئے جائیں (۱۰٦)۔

مرکزی جمعیت کے فیصلے کے پیش نظر مفتی محمود نے ٦ دسمبر ۱۹٦۸ء کو تمام کارکنوں کو ہدایت کی کہ ۲۵ دسمبر کو جمعۃ الوداع کے موقع پر حکومت کی سیاہ کاریوں، خلاف شریعت عائلی قوانین کے نفاذ، خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعے بداخلاقی کی سرپرستی کرنے، شراب نوشی، عریانی و فحاشی کو فروغ دینے اسلامی نظام سے مسلسل چشم پوشی کرنے اور ختم نبوت کے بنیادی عقیدے کو مجروح کرنے کی کوششوں کے خلاف یوم احتجاج منائیں، مظاہرے کریں اور جلوس نکالیں۔ لاہور میں جمعۃ الوداع میں شریک نمازیوں پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا، تشدد کا شکار ہونے والوں میں کل پاکستان جمعیت علماء اسلام کے نائب امیر مولانا عبید اللہ انور بھی شامل تھے، جنہیں بعد میں ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ سرگودھا سے بھی پولیس نے اسی انداز میں تشدد کیا (۱۰۷)۔ نیشنل عوامی پارٹی پنجاب کے صدر میاں محمود علی قصوری، نائب صدر پاکستان

جمہوری تحریک مغربی پاکستان خواجہ رفیق احمد ' پاکستان پیپلز پارٹی کے ڈاکٹر مبشر حسن اور لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ اعظم خان نے نمازیوں پر پولیس تشدد کی مذمت کی (۱۰۸) ۔ جمعیت کی شوریٰ نے لاہور میں اپنے ہنگامی اجلاس میں ۲۷ دسمبر کو نماز جمعہ اسی جگہ ادا کرنے کا فیصلہ کیا جہاں ان پر جمعۃ الوداع کے روز لاٹھی چارج ہوا تھا۔ نماز کے بعد پر امن جلوس بھی نکالا گیا جس میں پیپلز پارٹی نے بھی شرکت کی (۱۰۹) ۔

ملک میں تیزی سے بگڑتے ہوئے حالات کے پیش نظر صدر ایوب نے لاہور میں مسلم لیگ کے کارکنوں کو خطاب کرتے ہوئے ، علماء ، قانون دانوں اور ججوں کو اسلامی قوانین کا بل تیار کرنے کی دعوت دی اور اسے من و عن قومی اسمبلی سے پاس کروانے کا وعدہ کیا (۱۱۰) ۔ مفتی محمود نے صدر کو علماء کے بائیس نکات کا حوالہ دیا اور کہا کہ انہیں آئین میں کیوں شامل نہیں کیا جاتا ۔ مفتی صاحب نے قومی اسمبلی کے عائلی قوانین کے تنسیخی بل کو حکومت کے ایماء پر مسترد کرنے پر افسوس کیا (۱۱۱) ۔ مولانا عبید اللہ انور اور مولانا احتشام الحق تھانوی نے مفتی محمود کے بیان کی تائید کی (۱۱۲) ۔ مولانا ہزاروی نے کہا کہ صدر پاکستان اسلامی قوانین کے نفاذ کی ابتداء اپنی جماعت ، اسلامی مشاورتی کونسل اور ادارہ تحقیقات اسلامی کے ذریعے کیوں نہیں کرتے (۱۱۳) ۔

۷ جنوری ۱۹۶۹ء کو جمعیت نے ایوب خان کے دور حکومت میں بنائے گئے آٹھ جماعتی اتحاد ، جمہوری مجلس عمل میں شرکت کر لی ۔ اتحاد میں عوامی لیگ نصر اللہ گروپ ، عوامی لیگ مجیب الرحمان گروپ ، نیشنل عوامی پارٹی ولی خان گروپ ، نیشنل ڈیموکریٹک فرنٹ ، نظام اسلام پارٹی ، کونسل مسلم لیگ اور جماعت اسلامی شامل تھیں ۔ جمہوری مجلس عمل نے پارلیمانی نظام ، بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات ، شہری آزادیوں کی بحالی ، سیاسی نظر بندوں ، قیدیوں ، طلباء ، مزدوروں ، صحافیوں ، شیخ مجیب الرحمان ، خان عبدالولی خان اور ذوالفقار علی بھٹو (۱۹۲۸ء۔۱۹۷۹ء) کی رہائی ، مزدوروں کے حقوق کی بحالی سمیت دیگر مطالبات پیش کئے (۱۱۴) ۔ علماء کے بائیس نکات کی تدوین کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ جمعیت نے کسی ایسے حزب مخالف کے اتحاد میں شرکت کی تھی جس میں جماعت اسلامی بھی شامل تھی ۔ جمعیت کے رکن علماء مولانا مودودی کی اسلامی تشریحات کو درست نہیں سمجھتے تھے (۱۱۵) ۔ تاہم اتحاد میں برابر کے حصے دار ہونے کے باوجود دونوں جماعتیں باہم شیر و شکر نہ ہو

سکیں ۔ اس سلسلے میں اہم کڑی ذوالفقار علی بھٹو کا " سوشلزم " تھا، جسے بعد میں، اسلامی سوشلزم، اور مساوات محمدی کا نام دیا گیا ۔ ایوب حکومت کے خلاف چلنے والی تحریک کے ابتدائی ایام میں جمعیت اور پیپلز پارٹی کے درمیان سیاسی قربت بھی رہی تھی ۔

مذہبی حلقوں میں اسلامی سوشلزم کے گرد اگرد جنم لینے والی سرد جنگ کا نقطہ آغاز جمعیت کے راہنما مولانا غلام غوث ہزاروی کا ایک اخباری بیان تھا یہ بیان راولپنڈی میں منعقد ہونے والی ایک اخباری کانفرنس میں دیا گیا ۔ اخباری رپورٹ کے مطابق مولانا نے کہا کہ " سوشلزم کمیونزم سے مختلف ہے اور ایسے سوشلزم کی حمایت جو اسلام سے متصادم نہیں، جائز ہے ۔ بھٹو کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا ہزاروی نے کہا کہ بھٹو کا نظریہ سوشلزم خلاف اسلام نہیں (۱۱٦) ۔ مولانا نے علماء زمیندار، کسان، کارخانہ دار اور مزدور کے مسئلے کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے کی اشد ضرورت کا احساس دلایا (۱۱۷) ۔ انہوں نے اخبارات پر اپنے بیان کو غلط معنی دینے کا الزام لگایا (۱۱۸) ۔ ایک استفسار کے جواب میں مولانا نے کہا کہ میں کمیونزم کو کفر سمجھتا ہوں ۔ مزید برآں جس طرح لکھا گیا تھا، میں سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کی تحریکات اور ناموں سے متفق نہیں ہوں (۱۱۹) مذکورہ اخباری کانفرنس کے دوران دیئے گئے بیان کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس سلسلے میں علما نے امت کی تحقیق کے لیے میں نے بعض امور کی نشاندہی کی تھی یہ امور درج ذیل تھے ۔

۱۔ ان میں زمیندار، کسان، کارخانہ دار اور مزدور کے مسائل سرفہرست ہیں ۔ اس ضمن میں علماء کرام کو شرعی روشنی میں یہ واضح کرنا ہے کہ کسی اسلامی حکومت کو ان مسائل میں کہاں تک دخل دینے کا حق حاصل ہے ۔

۲۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے بنجر زمین آباد کی وہ اس کی ملکیت ہو گئی اس حدیث کی روشنی میں یہ دیکھنا ہے کہ انگریز نے جس ایک آدمی کو ایک ہزار مربع زمین دے کر اس کو جاگیر دار بنا دیا اور اس وسیع بنجر زمین کو غریبوں اور کسانوں نے آباد کیا اس زمین پر آباد کاروں اور ان کے وارثوں کا حق تسلیم کیا جائے یا جاگیر دار کا؟

۳۔ انگریز نے اپنے فوجی رسالے کے لیے گھوڑے پالنے والوں کو گھوڑپال مربعے عطا کئے ۔ اس قسم کے گھوڑپال مربعوں کے بارے میں شرعی فیصلہ کیا ہے؟

۴۔ سندھ میں پنشنروں کو ان کی خدمات کے صلے میں انگریزوں نے جو مربعے عطا

کنے ان کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟
۵۔ امام اعظم ابو حنیفہ نے مزارعت اور بٹائی کی جس اعتبار سے مخالفت کی اس کی تحقیق کی جائے اور غور کیا جائے کہ اس روشنی میں یا ان کے مسلک پر فتوی دیکھ کر ہم اس مسئلے کو کیسے حل کر سکتے ہیں؟
۶۔ صحیح حدیث شریف میں جو ارشاد نبوی صلعم ہے کہ جو زمین رکھتا ہو اس کو کاشت کرے ورنہ اپنے بھائی کو عطیے کے طور پر (برائے کاشت) دے دے۔ آیا امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک اس حدیث پر مبنی ہے؟
۷۔ آیا حضرت ابو ذر غفاری کا مسلک یہی تھا کہ دولت جمع نہ کی جائے اور کیا حکومت اس مسلک کو اپنا سکتی ہے؟
۸۔ آج کل تمام پارٹیاں کہتی ہیں کہ دولت سمٹ کر بیس گھرانوں میں آگئی ہے یا یہ کہ اسلام جاگیردار اور سرمایہ کاری کا مخالف ہے۔ آیا یہ صرف الفاظ میں یا ان کے خلاف کوئی عملی سکیم بھی موجود ہے؟
۹۔ میں نے کہا تھا کہ جس عورت کا خاوند گم ہو جائے حضرت امام اعظمؒ کے ہاں ۷۰ نوے سال سے پہلے دوسرا خاوند نہیں کر سکتی۔ اس کے بعد اس کا مرنا تقریباً یقینی ہو جاتا ہے، مگر ضرورت زمانہ کے تحت علماء نے حضرت امام مالکؒ کے مسلک پر متفق ہو کر چار سال کا فتویٰ دے دیا ہے۔ کیا اس طرح کفر و ارتداد کی روک تھام کے لیے امام اعظمؒ کے مسلک پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟
۱۰۔ میں نے کہا تھا کہ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو کافر بنانے کے بجائے ان کو سمجھانا اور اسلام کی بات منانا زیادہ ضروری ہے (۱۲۰)۔
جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کی شوریٰ نے بھی ۲۴ جنوری ۱۹۶۹ء کو مولانا کے بیان کی تائید میں ایک قرارداد منظور کی۔ (۱۲۱)۔
مولانا ہزاروی کی اخباری کانفرنس سے قبل جمعیت کے ایک نسبتاً نوجوان کارکن زاہد ککھڑوی نے "ترجمان اسلام" میں "مسٹر بھٹو کا اسلامی سوشلزم شرعی اصول کی روشنی میں" کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا۔ مصنف کے مطابق یہ مضمون ان کی ذاتی رائے پر مبنی تھا نہ کہ یہ جمعیت کی سیاسی حکمت عملی کا عکاس۔ ایک ناقدانہ نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ دراصل اس دور کی اقتصادیات کا جائزہ تھا۔ مصنف کے مطابق سرمایہ دار دولت کے بڑے ذرائع پیداوار پر قابض ہیں اور مزدوران کے رحم و کرم پر ہے۔ مزدور کی مشقت سے کمایا ہوا منافع سرمایہ دار کی تجوری میں چلا جاتا ہے، مہنگائی نے سرکاری ملازمین کی کمر توڑ کر

رکھ دی ہے، محنت کسان کرتا ہے مگر ثمر زمیندار اٹھا لیتا ہے، سفید پوش طبقے کی حالت بھی بری ہے۔ زندگی کا تحفظ غنڈے فراہم کرتے ہیں۔ بدعنوانی، سود جوا اور رشوت ستانی کامیابی کی کلید ہیں۔ ان اقتصادی عوارض سے قوم کو نجات دلانے کے لیے زاہد کھکڑوی نے کچھ اقدامات تجویز کرتے ہوئے دولت کی پیداوار کے بڑے ذرائع قومی تحویل میں لینے اور منافع میں کارکنوں کو حصہ دینے کا مطالبہ کیا۔ نیز مصنف نے تجویز کیا کہ جاگیروں پر محنت کرنے والے کسانوں کو مالکانہ حقوق —— دیے جائیں۔ مصنف نے بھٹو کے سوشلزم کو ناکافی قرار دیا اور اسلام کے اقتصادی نظام سے متعلق مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی (۱۹۰۱۔۱۹۶۲ء) کی کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" کا حوالہ دیا (۱۲۲)۔ یہ امر اپنی جگہ کھلی حقیقت ہے کہ مصنف نے کسی جگہ بھی ان مسائل کے حل کے لئے سوشلزم قبول کرنے کا مشورہ نہیں دیا (۱۲۳)۔ اس کے بعد زاہد الراشدی کے نام سے مصنف نے مولانا سیوہاروی کے اقتصادی نظریات کا خلاصہ پیش کیا (۱۲۴)۔ تاہم بعد ازاں زاہد الراشدی نے "اسلامی جمہوریت" اور "اسلامی سوشلزم" اصطلاحوں کو ازروئے شریعت درست قرار دیا (۱۲۵)۔

اسلامی سوشلزم کی اصطلاح کے بارے میں مفتی محمود نے ایک انٹرویو میں کہا کہ اس سے مذکورہ جماعت کا مقصد "سوشلزم" کے غیر اسلامی مارکسی لینینی نظریات کی نفی کرنا لگتا ہے۔ جیسے "جماعت اسلامی" جس سے مراد اسے دوسری سیاسی جماعتوں سے ممتاز کرنا ہے (۱۲۶)۔ مولانا ہزاروی اور زاہد الراشدی پر "اسلامی سوشلزم" کی حمایت کے الزام سے متعلق صحیح صورتحال معلوم کرنے کے لیے مفتی محمد شفیع (وفات ۱۹۷۶ء) کے بیٹے نے مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاروی کو خطوط لکھے اور اس سلسلے میں جمعیت کی حکمت عملی کے متعلق پوچھا (۱۲۷)۔ مولانا ہزاروی نے ان کو جواب میں کسانوں اور مزدوروں کو کافر قرار دے کر سوشلزم اور کمیونزم کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے بجائے ان کے مسائل کو ازروئے شریعت حل کرنے سے متعلق کوشش کرنے کو کہا (۱۲۸)۔ مولانا اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے کہ کارکنوں، کسانوں، چھوٹے تاجروں، متوسط طبقے اور دانش وروں کو ان کا حق دیئے بغیر سلطنت کے امور میں جمہوری نمائندگی ناممکن ہے (۱۲۹)۔ مفتی شفیع کے بیٹے مولانا ہزاروی کے جواب سے مطمئن ہو گئے مگر انہیں بائیں بازو کی جماعتوں پیپلز پارٹی اور نیشنل عوامی پارٹی سے تعلقات منقطع کرنے کو کہا (۱۳۰)۔ بظاہر یہ کوئی منطقی بات نہیں تھی۔

مولانا ہزاروی نے جمعیت اوراپنے خلاف " اسلامی سوشلزم " کی حمایت کی یلغار کو امریکی امداد پر پھلنے پھولنے والی ، جماعت اسلامی کا کارنامہ قرار دیا (۱۳۱)۔

۴ ، ۵ جنوری ۱۹۶۹ء کو جمعیت کی مرکزی عاملہ نے ایک قرارداد کے ذریعے غیر اسلامی عائلی قوانین کے نفاذ ، قادیانیوں کی سرپرستی ، پرویزیوں اور ڈاکٹر فضل الرحمن کی حوصلہ افزائی کرنے ، ارتداد کو فروغ دینے ، عریانی ، فحاشی ، سود اور جوئے کے ذریعے قوم کے اخلاق کو تباہ کرنے ایسے الزامات پر ایوب حکومت کو تبدیل کرنے کا عہد کیا ۔ ۱۷ جنوری کو جمہوری مجلس عمل نے ملک بھر میں جلوس نکال کر احتجاج شروع کیا ۔ ملک کو سیاسی اضطراب سے نکالنے کے لیے صدر ایوب خان نے سیاسی راہنماؤں کی گول میز کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان کیا ۔ مفتی محمود نے گول میز کانفرنس میں علماء کے منظور کردہ بائیس نکات پر عملدرآمد کروانے کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالنے کا اعلان کیا اور امید ظاہر کی کہ جماعت اسلامی اور دوسری اسلام پسند جماعتیں اس سلسلے میں ان کی حمایت کریں گے (۱۳۲) ۔ مفتی محمود کے بعد میں دیے گئے بیان کے مطابق جمہوری مجلس عمل کی سب کمیٹی کے اجلاس میں مولانا مودودی نے بائیں نکات پر عملدرآمد کروانے اور آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کرنے پر ان کے مطالبہ کی حمایت کرنے کی یقین دہانی کرائی تھی (۱۳۳) ۔ مگر جب صدر پاکستان کے ساتھ مذاکرت ہوئے تو مولانا مودودی نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا (۱۳۴) ۔ جمہوری مجلس عمل ، بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات اور پارلیمانی نظام کی بحالی کے علاوہ صدر کے سامنے کوئی فارمولا پیش کرنے میں متفق نہ ہو سکی ۔ گول میز کانفرنس کے بارے میں جماعت اسلامی کا مؤقف یہ تھا کہ حزب مخالف کی جماعتوں کا صدر کے ساتھ گول میز کانفرنس کرنے کا مقصد ملک کو صدارتی نظام سے نجات دلانا تھا نہ کہ بائیس نکات پر عملدرآمد کرانا تھا (۱۳۵)۔ تاہم جنرل یحییٰ خان نے مارشل لاء لگا دیا اور ملک اس سانحے کی طرف بسرعت چل پڑا جسکے باعث قومی سلامتی ایک اندوہناک حادثے کا شکار ہو گئی ۔

تجزیہ

قیام پاکستان کے نو سال بعد مرکزی جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کی تاسیس اگرچہ جمعیت علماء ہند کا احیاء تھا مگر اس کے پیش نظر خالصتا مسلمانان پاکستان کی اجتماعی فلاح و بہبود تھی۔ جمعیت نے اپنے سیاسی سفر کی ابتداء ایسے دور میں کی جب پاکستان کی بانی جماعت مسلم لیگ کے صف اول کے بیشتر قائدین بقید حیات تھے جو اس کے ماضی کے چشم دید گواہ تھے۔ مگر ان مشکلات کے باوجود جمعیت نے رفتہ رفتہ ملکی سیاسی عمل میں شریک ہو کر اپنے لیے ایک منفرد مقام پیدا کر لیا۔ مارشل لاء دور میں سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد تھی لیکن جمعیت نے اپنے مذہبی اثر و نفوذ کو بروئے کار لاتے ہوئے عوام میں اپنی جڑیں مضبوط کر لیں اور یوں اس کا شمار اہم سیاسی جماعتوں میں ہونے لگا۔ ۱۹۶۹ء کے اوائل میں سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کا مباحث نے جمعیت کو ملک کے طول و عرض میں متعارف کروا دیا اور پہلی مرتبہ جمعیت کے پروگرام کا عام آدمی نے بغور مطالعہ کیا، جس سے جمعیت کی مقبولیت میں بے پناہ اضافہ ہوا، اور نتیجتاً ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں نہ صرف اس کے قائد مفتی محمود نے ملک کی قد آور سیاسی شخصیت ذوالفقار علی بھٹو کو شکست دی بلکہ اس نے سرحد اور بلوچستان میں مخلوط وزارتیں بھی بنائیں۔ تاہم جمعیت کا مذہبی کردار اس کے عوامی کردار کی راہ میں حائل ہوا۔ دیوبندی علماء، سنیوں اور بالخصوص شیعوں کے ساتھ حد سے زیادہ فرقہ وارانہ یلغار نے اس کی دیوبندی چھاپ کو نمایاں کر دیا اور اس امر نے اسکے ایک بڑی اور خالص اسلامی جماعت تسلیم ہونے کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی اور بالآخر جمعیت کا سیاسی حلقہ دیوبندی مکتب فکر تک محدود ہو کر رہ گیا جو جمعیت کے مستقبل کے لیے ایک خوش آئند علامت نہیں۔

حوالہ جات

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیں، For detail see, Sayyid A. S. Pirzada "Jamiat Ulama-i-Islam Pakistan: 1947-70", Unpublished M. Phil. (History) Thesis, Quaid-i-Azam University, Islamabad, 1980.

۲۔ احمد حسین کمال، "عہد ساز قیادت جمعیت علماء اسلام کی تاریخ ماضی و حال کے آئینے میں (مکتبہ ربانیہ "بیرون لوہاری دروازہ) ملتان شہر، ۱۹۷۳ء، ص

۔۷۴

۳۔ اشفاق ہاشمی، مولانا مفتی محمود (ہاشمی پبلی کیشنز، راوی پارک) لاہور، س۔ن، ص ۱۱۔

۴۔ مصنف کا ملتان میں مولانا قاسمی کے ساتھ انٹرویو۔

۵۔ علمائے اسلام مغربی پاکستان کا ملتان میں شاندار کنونشن اور اغراض و مقاصد مع قواعد و ضوابط جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان، (جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان پبلی کیشنز) لاہور، س۔ن، ص ص ۳۰۔۳۱۔

۶۔ ایضاً ص ص ۴۲، ۴۳۔

مدعی نبوت مرزا غلام احمد (۱۸۳۶ء۔۱۹۰۸ء) اور ان کے پیروکاروں کو پاکستان سمیت تمام بلاد اسلامیہ میں کافر قرار دیا جا چکا ہے، مرزا صاحب کے وطن قادیان کے حوالے سے ان کے پیروکاروں کو قادیانی کہا جاتا ہے۔ قادیانیت پر علمی مباحث کے لیے دیکھیں،

(ا) مولانا شبیر احمد عثمانی، "الشہاب"، ملتان، تاریخ ندارد، ص ۶۳ (ب) ابوالحسن علی ندوی، "قادیانیت۔ مطالعہ و جائزہ"، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۲۰۲ (ج) ابوالحسن علی ندوی، ابوالاعلی مودودی، محمد خضر حسین، "تخریب پسند تحریکیں، قادیانیت"۔ مکہ مکرمہ، س۔ن، ص ۱۶۴ (د) منظور احمد جنیوتی الباکستانی، القادیانی معتقداتہ، جنیوت ۱۳۹۴ھ، ص ۵۲ (ر) "قومی ڈائجسٹ" قادیانیت، اشاعت خاص، لاہور، جلد ۷، شمارہ ۱۲، ۱۹۸۴ء ص ۲۹۶

Ehsan Elahi Zaheer, *Qadiyaniat: An Analytical Survey*, Lahore, 1975.
Report of the Court of Inquiry Constituted under Punjab Act of 1954 to enquire into the Punjab Disturbances of 1953, Lahore, 1954.

۷۔ مرکزی جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان لاہور کی مجلس عاملہ کی روائیداد، مرکزی جمعیت علماء اسلام پبلی کیشن لاہور، ص ص ۱۰۔۱۵،

۸۔ ایضاً، ص ص ۱۷، ۲۰

۹۔ مولانا غلام غوث ہزاروی، "اسلامی احکام سے پہلو تہی کرنے کا منحوس نتیجہ مخلوط اور جداگانہ کی جنگ"، ہفت روزہ "ترجمان اسلام"، لاہور، دسمبر ۵، ۹، ۱۹۵۷ء، ص ص ۳، ۴۔

۱۰۔ قرارداد مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۵۷ء

۱۱۔ اخباری بیان مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۵۷ء

۱۲۔ ایضا
ان کا یہ خدشہ کہ جداگانہ طرز انتخاب سے مسلمانوں کو اپنے نمائندے خود منتخب نہ کرنے دینے سے علیحدگی پسند عناصر کو تقویت ملے گی، بالکل درست ثابت ہوا جب ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مشرقی پاکستان میں ہندوؤں نے علیحدگی پسند عناصر کو چمکنے کے تمام مواقع فراہم کر دیے اور پاکستان دو لخت ہوا تو بعض دوسرے حلقوں سے بھی اس مطالبے کے حق میں آواز بلند کی گئی۔ مگر حکومت نے اپنا فیصلہ برقرار رکھا اور یوں مخلوط طریقہ انتخاب طویل عرصہ کے لئے قوم کا مقدر بن گیا۔
۱۳۔ "مرکزی جمعیت علماء اسلام کا چودہ نکاتی پہلا انتخابی منشور" جمعیت علماء اسلام نمبر، ماہنامہ "تبصرہ"، لاہور، ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۵ء، ص ص ۲۵۸
۱۴۔ اخباری بیان، مورخہ یکم مئی ۱۹۵۸ء
۱۵۔ "نوائے وقت"، لاہور، ۱۸ اگست ۱۹۵۷ء
۱۶۔ جن کے پیروکار بعد میں پرویزی کہلائے۔ پرویز کے ایک پیروکار اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے درمیان حدیث کی آئینی حیثیت پر تبادلہ خطوط ہوا، مولانا سید ابوالاعلی مودودی، سنت کی آئینی حیثیت (اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ)' لاہور' ۱۹۷۵ء' ص ۳۹۲۔
۱۷۔ "ترجمان اسلام"، ۲۶ اگست ۱۹۵۷ء، ص ۴۔
۱۸۔ ایضا
۱۹۔ مولانا غلام غوث ہزاروی، مجلس مذاکرہ، "ترجمان اسلام"، جنوری ۹۔۱۳، ۱۹۵۸ء؛ ص ص ۳۔۴، جنوری ۲۔۶، ۱۹۵۸ء، ص ۳
۲۰۔ مفتی جمیل احمد تھانوی، اسلامی مذاکرہ، "ترجمان اسلام"، ص ۷، مذاکرے کی کارروائی کے لیے دیکھیں، ہفت روزہ "لیل و نہار"، لاہور، جنوری ۱۲، ۱۹۵۸ء، ص ص ۵، ۱۱۔۱۸۔
۲۱۔ تفصیل کیلئے دیکھیں۔
مفتی محمود، "اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور پر تنقیدات و ترامیم"، دفتر مرکزی جمعیت علماء اسلام، مغربی پاکستان (بیرون دہلی دروازہ) لاہور، س، ن، ص ص ۱۔۱۸
۲۲۔ ایضا۔ ص، ۱۹۔۴۸۔
۲۳۔ "ترجمان اسلام"، مئی ۳۔۷، ۱۹۵۹ء، ص ۱

۲۴۔ ایضاً۔ جولائی ۵۔ ۹۔ ۱۹۵۹ء، ص ص ۲۔ ۸۔
۲۵۔ دستور وفاق المدارس العربیہ الباکستان ، ملتان ، تنظیمی کمیٹی مدارس عربیہ، پاکستان، ملتان پبلی کیشن، س ن، ص ۱۔
۲۶۔ ایضاً۔
۲۷۔ ایضاً۔ ص ۸۔
۲۸۔ "ترجمان اسلام"، فروری ۲۸، مارچ ۱، ۳، ۱۹۶۰ء، ص ۵۔
۲۹۔ ایضاً۔ ۲۸ اپریل، ۱۹۶۰ء، ص ۱۔
۳۰۔ "آئین کمیشن پاکستان کا سوالنامہ اور علماء کا متفقہ جواب"، س ن ص ص ۳۔۴۔
۳۱۔ ایضاً۔ ص ص ۵، ۱۱۔
۳۲۔ ایضاً۔ ص ص ۱۴۔ ۱۶۔
۳۳۔ ایضاً۔ ص ص ۱۹، ۲۰
۳۴۔ ایضاً۔ ص ۲۲۔
۳۵۔ ایضاً۔ ص ص ۲۲۔ ۳۰۔
۳۶۔ ایضاً۔
۳۷۔ ایضاً۔ ص ص ۳۱۔ ۳۲
۳۸۔ مولانا شمس الحق افغانی کا خط بنام غلام غوث ہزاروی اور صدر آئین کمیشن پاکستان، "ترجمان اسلام"، جولائی ۸، ۱۹۹۰ء، ص ۴۔
۳۹۔ "ترجمان اسلام"، ۲۷ مئی، ۱۹۶۰ء ص ص ۳، ۴
۴۰۔ ایضاً۔ ص ۵۔
۴۱۔ ایضاً۔ ص ص ۶۔ ۷۔
۴۲۔ ایضاً۔
۴۳۔ ایضاً۔ ص ۸
۴۴۔ ایضاً۔ ص ص ۹، ۱۰۔
۴۵۔ مولانا غلام غوث ہزاروی ، نکاح و طلاق ثانی کا آرڈیننس اور حکومت کومشور۷، "ترجمان اسلام"، ۱۷ مارچ ۱۹۶۱ء، ص ۳۔
۴۶۔ " نظام العلماء مغربی پاکستان منعقدہ ۲۴ ، ۲۵ اپریل ۱۹۶۱ء کے فیصلے اور روئیداد، س ن، ص ص ۱۶۔ ۱۹۔
۴۷۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، بریلوی عالم دین مولانا ابوالبرکات سید محمد احمد قادری ، شیعہ علماء مفتی جعفر حسین اور حافظ کفایت حسین سمیت

چودہ علماء کے بیان کے لیے دیکھیں رپورٹ "مسلم فیملی لاز آرڈیننس پر علماء کرام کا تبصرہ"، س ن، ص ۲۴

48. *The Gazette of Pakistan Extraordinary*, Karachi, June 20, 1956, pp. 1197-1198.

49. *Ibid.*, p. 1199.

50. *Ibid.*, pp. 1200-1204.

51. For complete text see *ibid.*, pp. 1197-1232.

52. *The Gazette of Pakistan Extraordinary*, Karachi, Aug. 30, 1956, pp. 1561-1565.

53. *Ibid.*, for Urdu text see *ibid.*, pp. 1505-1606.

54. *Ibid.*

55. *Ibid.*

56. *National Assembly of Pakistan Debates, Official Report*, Vol. I, 1962, p.8, hereafter *Debates*.

57. *Ibid.*, pp. 1386-1388.

58. *Debates*.

59. *Ibid.*

60. *Ibid.*

61. *Debates*, Vol.I, 1963, pp. 255-259.

62. *Debates*, Vol.III, Part II, 1963, pp. 1362-1365.

63. *Ibid.*, pp. 1716-1770.

64. *Debates*, Vol.II, Part I, 1963, pp. 71-72.

65. *Ibid.*, pp. 461-467.

66. *Debates*, Vol. II, Part II, 1963, pp. 1865-1885.

67. *Ibid.*, also see Mufti Mahmood's speech of June 22, 1965, *Debates*, Vol. I, 1965, pp. 273-274.

68. *Ibid.*

69. *Debates*, Vol. III, Part I, 1963, pp. 151-152.

۷۰۔ "ترجمان اسلام"، ۶ دسمبر ۱۹۶۳ء، ص ۵۔

۷۱۔ ایضا۔ اور شمارہ مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۶۳ء، ص ۶۔

۷۲۔ "اسمبلیوں کے اندر عالمانہ اور مجاہدانہ تقریریں۔" حضرت مولانا مفتی محمود صاحب، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی، جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان، لاہور، س ن، ص ص ۳۷۔ ۴۸

73. *Debates*, Vol. II, Part I, 1964, pp. 697-702. For text of the amendment see *The Constitution of the Islamic Republic of Pakistan*, *op. cit.*, pp. 178-181.

74. *Debates*, Vol. III, 1964, pp. 630-633.

75. "Jamiat Ulamā-i-Islam Pakistan", p.73.

۷۶۔ "ترجمان اسلام"، جون ۲۱، ۱۹۶۳ء، ص ۱۰۔

۷۷۔ ایضاً۔

۷۸۔ ایضاً۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۶۵ء، ص ص ۳، ۷۔

۷۹۔ ایضاً۔

۸۰۔ ایضاً۔ ۱۹ نومبر ۱۹۶۵ء، ص ۱۔

۸۱۔ ایضاً۔ ۱۳ جون ۱۹۶۶ء، ص ۷۔

۸۲۔ ایضاً۔ ۱۵ جون ۱۹۶۶ء، ص ص ۸، ۹۔

۸۳۔ روزنامہ جنگ کراچی، جنوری ۸، ۱۹۶۴ء

۸۴۔ ایضاً۔ "ترجمان اسلام"، جنوری ۱۷، ۱۹۶۴ء، ص ۱۲

۸۵۔ ایضاً۔ ۱۰ جولائی ۱۹۶۴ء، ص ص ۳، ۷

۸۶۔ ایضاً۔ ۴ دسمبر ۱۹۶۴ء، ص ص ۱، ۸۔

۸۷۔ ایضاً۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۶۴ء، ص ص ۱، ۸۔

۸۸۔ ایضاً۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۶۴ء، ص ۷، ایضاً۔ ۱ جنوری ۱۹۶۵ء، ص ۳۔ ۴۔

۸۹ ـ اہم قرار دادیں ۵ جولائی ۱۹۶۵ء

۹۰۔ ترجمان اسلام، ۱۵ ستمبر ۱۹۶۵ء، ص ۲۔

۹۱۔ ایضاً۔ ۲۶ نومبر ۱۹۶۵ء، ص ۱، ایضاً۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۶۵ء، ص ۴

۹۲۔ ایضاً۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۶۵ء، ص ۸، ایضاً۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۶۵ء، ص ۴۔

۹۳۔ ایضاً۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۶۵ء، ص ۱،۔

۹۴۔ ایضاً۔ ۲۱ جنوری ۱۹۶۷ء، ص ص ۱۔ ۸۔

۹۵۔ ایضاً۔ ۱۸ فروری ۱۹۶۶ء، ص ص ۶، ۸۔

۹۶۔ ایضاً۔

۹۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیں، ایضاً ۲ جون ۱۹۶۷ء، ص ۴۔ ۷، ایضاً۔ ۹ جون ۱۹۶۷ء۔ ص ۵، ۷، ایضاً۔ ۱۴ جولائی ۱۹۶۷ء، ص ۱۰، ایضاً۔ ۲۸ جولائی ۱۹۶۷ء، ص ۱۳۔

۹۸۔ دیکھیں متن، ایضاً۔ ۹ فروری ۱۹۶۸ء، ص ۵۔

۹۹۔ خط مورخہ ۱۴ جون ۱۹۶۷ء۔

۱۰۰۔ ایضاً۔

۱۰۱۔ ہفت روزہ "نوائے کوجرانوالہ"، ۲۹ اگست ۱۹۶۷ء، ص ۱
۱۰۲۔ "ترجمان اسلام"، ۱۰ جون ۱۹۶۶ء، ص ص ۸، ۱۳
۱۰۳۔ ایضا۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۶۸ء، ص ۱۳ ۱۰۴۔ ایضا
۱۰۵۔ "دستور اساسی کل پاکستان جمعیت علماء اسلام"، ملتان، س۔ن، ص ۲۹
۱۰۶۔ "قرارداد دین"، ملتان، ۱۹۶۹ء، "ترجمان اسلام"، ۱۰ مئی ۱۹۶۸ء، ص ۱

۱۰۷۔ روزنامہ حریت"، کراچی، ۲۳ دسمبر ۱۹۶۹ء
۱۰۸۔ ہفت روزہ "خدام الدین"، لاہور، ۲۷ دسمبر ۱۹۶۸ء، ص ۱، "روزنامہ حریت" کراچی، ۲۵ دسمبر ۱۹۶۸ء
۱۰۹۔ ایضا۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۶۸ء

110. *Dawn* (Daily), Karachi, 31 Dec., 1968

۱۱۱۔ "ترجمان اسلام"، ۱۰ جنوری ۱۹۶۹ء، ص ص ۳، ۴
۱۱۲۔ روزنامہ جنگ، کراچی، ۳ جنوری ۱۹۶۹ء۔
۱۱۳۔ ترجمان اسلام، ۱۰ جنوری ۱۹۶۹ء، ص ۴۳
۱۱۴۔ "ڈھاکہ مشرقی پاکستان کا آٹھ جماعتی فیصلہ"، لاہور، س۔ن، ص ص ۱۹، ۲۰ روزنامہ تعمیر، راولپنڈی، ۲۰ جنوری ۱۹۶۹ء روزنامہ جنگ، راولپنڈی، ۲۰ جنوری ۱۹۶۹ء

115. For details see "Jamiat-i-Ulama-i-Islam Pakistan", p. 60.

116. *Dawn* (Dialy), Karachi, January 20, 1969; *Pakistan Times* (Daily), Rawalpindi, January 20, 1969.

117. *Morning News* (Daily), Karachi, June, 21, 1969.

۱۱۸۔ روزنامہ "جنگ"، کراچی، ۲۰ جنوری ۱۹۶۹ء
روزنامہ "جنگ"، راولپنڈی، ۱ فروری ۱۹۶۹ء
روزنامہ "تعمیر"، راولپنڈی، ۳ فروری ۱۹۶۹ء
روزنامہ "نوائے وقت"، راولپنڈی، ۴ فروری ۱۹۶۹ء
روزنامہ "کوہستان"، راولپنڈی، ۷ فروری ۱۹۶۹ء
۱۱۹۔ "ترجمان اسلام"، ۳۱ جنوری ۱۹۶۹ء، ص ۴
۱۲۰۔ غلام غوث ہزاروی، سوشلزم کی بحث کے سلسلے میں ضروری گذارش،

"ترجمان اسلام ، ۳۱ جنوری ۱۹۶۹ء، ص ص ۵۔۶
۱۲۱۔ ایضاً، ص ص ۷، ۱۲
۱۲۲۔ زاہد ککھڑوی ، "مسٹر بھٹو کا اسلامی سوشلزم شرعی اصولوں کی روشنی میں" "ترجمان اسلام" ۲۰ دسمبر ۱۹۶۹ء، ص ص ۵۔۱۴
۱۲۳۔ ایضاً۔
۱۲۴۔ زاہد الراشدی ، "اسلام کا اقتصادی نظام" ، "ترجمان اسلام" ، ۲۱ فروری ۱۹۶۹ء، ص ۲ اور شمارہ مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۶۹ء، ص ۴، ۱۴ مارچ ۱۹۶۹ء، ص ص ۵۔۶، ۲۱ مارچ ۱۹۶۹ء، ص ص ۲، ۸، ۲۸ مارچ ۱۹۶۹ء، ص ص ۵، ۶، ۴ اپریل ۱۹۶۹ء، ص ۱۵، ۱۱ اپریل ۱۹۶۹ء، ص ۷۔۸، ۱۱ اپریل، ۱۹۶۹ء، ص ۱۱۔ ۲۵ اپریل ۱۹۶۹ء، ص ۱۱۔
مضامین کا یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔
۱۲۵۔ زاہد الراشدی ، "اسلامی جمہوریت اور اسلامی سوشلزم" روزنامہ امروز لاہور، ۳۱ جنوری ۱۹۶۹ء۔
۱۲۶۔ "مفتی محمود نمبر" ، ماہنامہ "تبصرہ" لاہور، جنوری ۱۹۷۰ء، ص ۵۳۔۵۸، س۔ن
۱۲۷۔ "مولوی تقی عثمانی کا خط بنام مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاروی ،
۱۲۸۔ "مولانا غلام غوث ہزاروی کا خط بنام مفتی محمد شفیع"
129 *Pakistan Times*, (Daily) Rawalpindi, July 31, 1969.
۱۳۰۔ مفتی محمد شفیع کا خط بنام مولانا غلام غوث ہزاروی ، س ن راقم کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔
۱۳۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیں ، ایم ایس ناز ، "امریکی ایجنٹ کون" ہفت روزہ "قندیل" لاہور ۲۵ جولائی ۱۹۷۰ء ص ص ۸۔۲۴
۱۳۲۔ روزنامہ "امروز" لاہور، ۱۱ مارچ ۱۹۶۹ء
۱۳۳۔ "ترجمان اسلام" ، ۱۸ اپریل ۱۹۶۹ء ص ص ۶۔۱۰ ایضاً ۲ مئی ۱۹۶۹ء، ص ص ۶۔۷، مفتی محمود کا انٹرویو بھی دیکھیں ، ہفت روزہ اخبار جہاں ، کراچی ، ۲۴ ستمبر ۱۹۶۹ء
۱۳۴۔ ایضاً۔
۱۳۵۔ سید صدیق الحسن گیلانی ، گول میز کانفرنس اور مفتی محمود کا طرز عمل ، ہفت روزہ "ایشیا" لاہور، ۲۸ ستمبر، ۱۹۶۹ء۔

Institute's Publications

1.	*The British in India: A Study in Imperialism,* Dr. K.K. Aziz.	H.B.	Rs. 100/-
		P.B.	Rs. 45/-
2.	*Political Parties in Pakistan: 1947-1958,* Dr. M. Rafique Afzal.	Vol. I	Rs. 90/-
		Vol. II	Rs. 120/-
3.	*Party Politics in Pakistan: 1947-1958,* Dr. K.K. Aziz		Rs. 65/-
4.	*Some Aspects of Quaid-i-Azam's Life,* S. Sharifuddin Pirzada.		Rs. 25/-
5.	*N.W.F.P. Administration Under British Rule, 1901-1919,* Dr. Miss Lala Baha.		Rs. 75/-
6.	*Shah Wali Allah: A Saint Scholar of Muslim India,* Dr. A.D. Muztar.		Rs. 45/-
7.	*The Advent of Islam in Indonesia,* Dr. N.A. Baloch.		Rs. 45/-
8.	*Muslim Politics and Leadership in South Asia, 1876-1892,* Dr. M. Yusuf Abbasi.		Rs. 120/-
9.	*Thatta: Islamic Architecture,* Dr. A.H. Dani.		Rs. 140/-
10.	*Islamabad: The Picturesque Capital of Pakistan,*		Rs. 40/-
11.	*Multan: History and Architecture,* Dr. Ahmad Nabi Khan.		Rs. 160/-
12.	*Fathnamah-i-Sind,* (English & Persian), N.A. Baloch.		Rs. 160/-
13.	*Life and Works of Sayyid Ali Hamadani,* Dr. Agha Hussain Hamadani.		Rs. 25/-
14.	*Sikandar Hayat Khan (1892-1942): A Political Biography,* Dr. Iftikhar Haider Malik		Rs. 85/-
15.	*Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah: Myth and Reality,* Dr. Waheed-uz-Zaman		Rs. 90/-
16.	*Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah: The Formative Years,* Dr. Riaz Ahmad.		Rs. 130/-
17.	*Maulana Ubaid Allah Sindhi: A Revolutionary Scholar,* Muhammad Hajjan Shaikh.		Rs. 100/-
18.	*The Frontier Policy of Delhi Sultans,* Dr. Agha Hussain Hamadani.		Rs. 150/-
19.	*London Muslim League (1908-1928): A Historical Study,* Dr. M. Yusuf Abbasi,		Rs. 260/-
20.	*Newsletters in the Orient,* Dr. Abdus Salam Khurshid.		Rs. 120/-
21.	*Muslim Response to the West: Muslim Historiography in India 1857-1914,* Dr. Mohammad Aslam Syed.		Rs. 150/-
22.	*History of the Northern Areas of Pakistan,* Dr. A.H. Dani.		Rs. 350/-
23.	*Sind Under the Mughuls,* Dr. M. Saleem Akhtar.		Rs. 250/-
24.	*Pakistani Culture: A Profile,* Dr. M. Yusuf Abbasi.		(In Press)
25.	*Islam in South Asia,* Edited by Dr. Waheed-uz-Zaman and Dr. M. Saleem Akhtar.		(In Press)
26.	*The Punjab Muslim Students Federation 1937-47,* Dr. Sarfaraz Hussain Mirza.		Rs 250/-